گوری کرے سنگھار

آسیہ رزاقی



ناولٹ

پورے گھر میں تیز میوزک کی لہریں بھرے ہوئے سمندر کی مانند جوار بھاٹا پیدا کرنے کی کیفیت کا اظہار کر رہی تھیں۔ یقیناً کوئی طوفان آیا تھا اور اس کا اظہار بھی نوجوانوں کے قہقہوں سے ہو رہا تھا جو شاید حس سماعت سے عاری ہو چکے تھے۔

آج کا سورج اس گھر کے باسیوں کے لیے بے انتہا مسرت کی کرنیں لے کر نمودار ہوا تھا۔ وہ کیوں نہ جشن مناتے اور کیوں نہ قہقہے لگاتے۔ موقع بھی تھا اور دستور بھی۔ گھر کے بزرگ موجود نہ تھے اور یہ خوشی کی خبر ان کو ابھی ابھی ملی تھی۔ آخر صولت علی جاہ کی شاندار سروس ملنے کی اطلاع اتنی معمولی بھی نہ تھی۔

پچھلے نو ماہ سے وہ بے چارے بے روزگار تھے' اعلا تعلیم' مشہور خاندان' بارسوخ والد' سب کچھ ہوتے ہوئے مرضی کی جاب نہیں مل رہی تھی۔ ان کے



خوش مزاج وجود میں بے چینی اور اضطراب کی لہریں اداسی اور فکر مندی کا سبب بن رہی تھیں اور جب گھر کا سب سے مقبول، ہر دلعزیز، خوش رو، خوش گمان، محبت و مروّت میں یکتا، سب کے دکھ کا شریک اور سب کے رازوں کا امین بے چین ہو کر اداسی اور مایوسی کا شکار ہو جائے تو باقی لوگ خود بخود فکر مند ہو گئے تھے۔

خدا خدا کر کے آج وہ دن آیا تھا کہ صولت کے چہرے پر چمکتی دمکتی مسکراہٹ نے شوخ رنگ اختیار کر لیا تھا تو خوشیاں ان کے وجود میں پھلجھڑیاں چھوڑنے لگی تھیں۔ قہقہے لٹانے میں ہر ایک، دوسرے پر بازی لے جانا چاہتا تھا۔ مسرت کے اظہار میں کنجوسی کسی کو پسند تھی نہ گوارا کہ سب ہی بے فکرے، خوش باش لوگ تھے۔ ایک دوسرے سے بے انتہا محبت کرنا اس گھر کے لوگوں کی عادت، خصلت، خاصیت تھی اور احترام و عزت کرنے میں کوئی گھرانہ ان کا ثانی نہ تھا۔

ادھر کچھ دن سے صولت پر پژمردگی کے دورے پڑنے لگے تھے۔ بہت زیادہ بولنے والے تو وہ کبھی نہ تھے مگر آج کل تو ان پر خاموشی کا دور آیا ہوا تھا۔ یوں بھی وہ خاصے ضدی تھے۔ گو کہ اپنی اس عادت پر قابو پانے کی کوشش بھی کرتے تھے۔ اپنی ضد میں دوسروں کو نقصان پہنچانے یا کسی کو تنگ کرنے کے قائل نہ تھے۔ خود ہی نقصان اٹھاتے، خود عذاب سہتے، کسی کو الزام بھی نہ دیتے، بڑے فرشتہ صفت انسان تھے، اسی لیے پورے خاندان میں بے حد چاہے جاتے۔

بچپن میں ان کی والدہ وفات پا گئی تھیں۔ دادی نے ان کو اس طرح پرورش کیا جیسے وہ کہیں کے شہزادے ہیں۔ ان کے لاڈ پیار، ناز اٹھانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، اسی لیے وہ ضدی ہو گئے، ورنہ بے مثال، بے نظیر انسان ہوتے۔ آج جو انہوں نے اپنی پسند کی جاب ملنے کی نوید سنائی تو نوجوان پارٹی کی خوشی سے چیخیں نکل گئیں۔ بہار سی آ گئی، غنچے چٹکنے لگے، کسی کو خود پر اختیار نہ رہا۔ گھر کے سارے بزرگ کسی عزیز کے وفات

پانے کا سن کر جنازے میں شرکت کی غرض سے گئے ہوئے تھے۔ (عشرت کی اردو خاصی کمزور تھی، اس نے صولت کو بتایا کہ سب لوگ جنازہ اٹینڈ کرنے گئے ہیں اور صولت، مسرت کی فراوانی کے باعث سمجھ نہ سکے۔"

"بہجت میوزک کی دیوانی، معظم موسیقی کے رسیا، باقی سب بھی شوقین اور روکنے ٹوکنے والا کوئی وجود نہیں۔ اونچے سُروں والے گیت کے ساتھ سب لوگ دم دما دم ڈیگا ڈیگا اور "یاہو" کے نعرے لگانے سے باز نہ آئے۔ صولت ایک جگہ بیٹھے تالیاں بجا رہے تھے۔ وہ مسرور اور مطمئن تھے اور یہ کافی تھا۔ کسی کو خبر ہی نہ ہوئی کہ کب صولت علی جاہ کے والد، گھر کے سربراہ، گھر میں آ گئے ہیں۔ جب موسیقی کے شورِ محشر سے تنگ آ کر گیلری میں دھاڑے تو سب کو خبر ہو گئی۔ موسیقی کی تیز آواز پر ان کی دھاڑ اس قدر غالب آئی کہ سب اپنی جگہ دم بخود ہو گئے۔ ٹیپ بند کرنے کے بجائے تار کھینچ کر آواز کا گلا گھونٹا گیا۔ شیر واقعی شیر ہے اور بڑے ابا کی آواز تو عام طور پر بھی ذرا بلند ہو تو رگوں میں خون جمانے کو کافی تھی۔ ان کا سامنا کرنا..... مجال نہ تھی مگر..... وہ آ گئے تھے۔

"کہاں مر گئے سب۔"

لڑکے اپنی جگہ منجمد، لڑکیاں کونوں میں سمٹ گئیں۔ صرف صولت ہی ان کا سامنا کر سکتے تھے۔ وہی گیلری میں آ گئے، جانتے تھے والد صاحب کو موسیقی سے کوئی لگاؤ نہیں۔

"کیا ہو رہا تھا یہ؟ اتنا تیز میوزک، کان کے پردے پھٹ چکے ہیں۔ شاید سب کے سب بہرے ہو گئے ہو، آخر یہ کس کی حرکت تھی؟"

"جی ابا جان! یہ میں نے ہی جرأت کی تھی۔ دراصل بچے خوشی منانا چاہتے تھے۔"

"ارے بدبختو! خوشی منانے کے لیے شورِ قیامت کیا بہت ضروری ہے۔ ایک تو تم سب کی آوازیں ہی پھٹے بانس جیسی، اوپر سے یہ بے ہودہ ریکارڈ لگا لیا۔ گھر

کو ہوٹل سمجھ لیا ہے۔ کچھ خبر ہے دنیا کی، اوزون کی سطح انہی آوازوں سے پھٹ رہی ہے۔ قیامت آنے والی ہے، بدبخت کہیں کے۔ بات کریں گے تو حلق پھاڑ کر، ہنسیں گے تو چھت پھاڑ کر۔ اب یہ میوزک..... آسمان پھٹ رہا ہے تم لوگوں کے شور سے۔"

بڑے ابا دھاڑ رہے تھے۔ بے چارے صولت بھائی سر جھکائے جی جی کر رہے تھے۔

"کوئی تمیز، تہذیب نہیں۔ ادھر چچا فتح علی کا انتقال ہوا ہے، ہمارے گھر میں خوشیوں کا سیلاب آ رہا ہے، جشن منایا جا رہا ہے، کیا نقصان کر رہے تھے بے چارے لوگوں کا کہ ان کے مرنے کی خوشی میں موسیقی کا طوفان برپا کر دیا۔"

صولت نے ایثار و مروّت کا مرقع بننے کا تہیہ کر لیا تھا شاید۔ وہ ابا جان کو نرمی سے سمجھانے لگے۔

"ابا جان! دراصل میں تو صبح کا گیا ابھی آیا ہوں۔ مجھے تو علم ہی نہ تھا کہ کسی کی وفات ہو گئی۔ اصل میں ہوا یہ کہ مجھے سروس مل گئی ہے، یہ سنتے ہی سب لوگ....."

"ہاں، یہ سنتے ہی سب لوگ آپے سے باہر ہو گئے۔" بڑے ابا چلائے۔ "سروس ہی ملی ہے نا، کہیں کی بادشاہت تو نہیں ملی کہ اخلاق اور تہذیب سے عاری ہو گئے۔ بلاؤ سب کو۔"

"دراصل ابا جان! سارا قصور میرا ہے۔ میں نے اتنے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا کہ....."

"میاں! تم ہو جاہلوں کی اولاد، آیا سمجھ میں۔ تم کو کچھ خبر ہی نہیں کہ دنیا میں ہو کیا رہا ہے اور یہ ماحولیاتی آلودگی کیا ہے، اوزون کی سطح پھٹ رہی ہے اور اسی شورِ بے ہنگام کے سبب، تم لوگوں کو عقل ہی نہیں۔ خوشی میں اتنا شور و غوغا۔"

"ابا! چلیں معاف کر دیں۔ آئیے، میں آپ کو چائے پلواتا ہوں۔"

وہ بڑے ابا کو کمرے میں لے جانے کی کوشش کرنے لگے۔ بڑے ابا سمجھے صولت پر ان کی باتوں کا

کچھ اثر نہیں ہوا ہے۔ جھٹکے سے ان کا ہاتھ ہٹا کر بولے۔

"رشوت دو گے مجھے، نہیں چاہیے چائے۔ کوئی معقول بات تو سننا چاہتے ہی نہیں۔ بجائے شرمندہ ہونے کے، بات ٹال رہے ہو۔ جاہل، نکمّے، لاپروا۔ تمہیں اندازہ ہے کہ ہم سب کس خطرے کی زد میں ہیں؟ دنیا کی تاریخ بدلنے والی ہے صاحبزادے! اوزون تم لوگوں کی لاپروائی اور ضد کی بدولت ماحول کی آلودگی اور شور شرابے کی وجہ سے زخمی ہے اور تم کو عقل نہیں آتی۔"

"ابا جان! اوزون کی سطح کو پھاڑنے کا سبب صرف ہمارا شور نہیں۔ دنیا میں جو زیرِ زمین دھماکے بموں کے تجربے کیے جا رہے ہیں اور جنگوں میں جو آگ اور دھوئیں کی بارش ہو رہی ہے، تیل کے کنوؤں میں آگ جس کے دھوئیں کی چادر آسمان تک جا پہنچی ہے۔ سڑکوں پر ٹریفک کا شور، گاڑیوں کا دھواں، ان سب کو روکنے کی ضرورت ہے۔ جب ماحول کی پراگندگی کم ہو گی تو خطرات بھی کم ہوں گے۔ میں مانتا ہوں کہ میوزک کا شور بھی اوزون تک پہنچتا ہے مگر ہماری آوازیں بہرحال اتنی خطرناک نہیں۔"

"بس بس..... جاہل کی اولاد بلکہ ابوجہل، شرمندہ نہ ہونا، بڑوں کی بات نہ ماننا۔ اتنے بڑے خطرے سے نبٹنا ہے۔ نقصان تو پوری دنیا کو ہو گا۔ ہم کوئی تجربہ نہیں

کررہے۔ نہ جنگیں لڑ رہے ہیں کہ روک سکیں مگر جو ہم کر سکتے ہیں ' وہی کریں۔ تم اپنے شوق مت روکو ' چیخیں ' قہقہے نہ روکنا تو دنیا اپنے تجربے ' دھماکے کیسے روکے گی۔"

صولت کو غصہ آگیا۔ "تو گویا یہ میں ہوں جو اوزون کے لیے خطرہ ہے۔ میری آواز ہی وہ خوفناک گیس ہے جو آسمان تک پہنچ کر دنیا کی تباہی کا سبب بن رہی ہے۔"

صولت کا غصہ خاصا خطرناک ہوتا تھا مگر بڑے ابا مسلسل گرجتے رہے اور صولت اپنے کمرے میں جاکر بند ہوگئے۔ باقی گھر والے آئے تو گھر پر اداسی اور ویرانی کا راج تھا۔

عزت نے اماں کو چپکے چپکے معرکے کا حال کہہ سنایا۔ صولت کی بہترین جاب کا سن کر سب بے حد مسرور ہوئے۔ فوراً" مٹھائی منگائی گئی۔ پھپھو پلیٹ میں مٹھائی لے کر خود بڑے ابا کے کمرے میں گئیں مٹھائی کی تازگی ' خستگی اور نرمی کو سراہا اور کافی مٹھائی کھا گئے۔

"بڑے بھیا! پوچھیں تو سہی کہ یہ مٹھائی ہے کس خوشی کی۔" پھپھو مسکرا کر بولیں۔

"اچھا ' ہاں ہاں ' بتاؤ نا۔"

"آپ کے بیٹے کو بہت اچھی سروس مل گئی ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس نے بچے کی کوششوں کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔"

"اچھا......؟ اوہ اچھا...... مگر یہ نالائق ہے کدھر۔ یعنی خوشخبری بعد میں ' مٹھائی پہلے۔ واہ! بلانا تو صاحبزادے کو ' ہم ان کے کان کھینچیں۔ ہمیں اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ خود بتاتے۔"

"بڑے بھیا! یہ بچے تو کہہ رہے تھے کہ انہوں نے آپ کو بتادیا تھا۔"

"ہائیں...... سب جھوٹے بلکہ جھوٹوں کی اولاد ' جھوٹوں کے سردار ' بہرحال صولت کو بلاؤ۔"

مگر صولت انتہائی ناراض ' پھپھو بہت کی امی یعنی چچی جان ' معظم اور عزت کی اماں سب نے دروازے پر کھڑے ہو کر آوازیں دیں۔ دروازہ نہ کھلا۔ رات کو

کھانے پر آئے تو سب نے مبارکباد دی۔ مسکرا دیے ' گردن کے اشارے سے شکریہ ادا کیا۔ لگتا تھا کسی انتہائی صدمے کے سبب قوت گویائی سلب ہوگئی۔

بڑے ابا رات کو کھانا نہیں کھاتے تھے ' اس لیے ان کی ملاقات صولت سے نہ ہو سکی۔

البتہ صبح جب بن ٹھن کر آفس جانے کے لیے باہر نکلے تو ان کی شاندار شخصیت اور مہکتا وجود دیکھ کر معظم اور اعظم کے منہ سیٹی بجانے کی پوزیشن میں سکڑ کر رہ گئے۔

بڑے ابا ' بیٹے کو گلے لگانے آگے بڑھے تو صولت نے انہیں نظر انداز کر دیا اور راستہ بدل کر باہر چلے گئے۔ بڑے ابا حیرت زدہ رہ گئے تو باقی لوگ بھی پتھر کے مجسموں کی طرح جم کر رہ گئے۔ اتنی بدتہذیبی اور گستاخی کا مظاہرہ صولت نے کبھی نہیں کیا تھا۔ عزت نے انگلیاں دانتوں میں دبالیں۔

"ہائے صولت بھائی! یہ کیا کیا آپ نے ' بڑے ابا کے رعب کو للکارا ہے ' آپ کا اللہ ہی حافظ۔"

مگر بڑے ابا اخبار لیے کمرے کے اندر جا چکے تھے۔ (کچھ دیر بعد سب کچھ بھول جائیں گے ' یہ طے تھا)

صولت کا رویہ سب کے لیے باعث حیرت تھا۔

دادی نے صولت کو جس انداز میں پرورش کیا تھا ' اس نے انہیں ضدی تو بنا دیا تھا مگر بدتمیز نہیں اور بڑے ابا تو یوں بھی بیٹے سے الگ الگ رہے۔ ان کی الگ ہی دنیا تھی۔ اور اب تو کئی سالوں سے بس مطالعہ ہی ان کا شوق تھا۔ دادی کے مرنے کے بعد چچی جان نے صولت کی دیکھ بھال کی پھر چھوٹی چچی آئیں ' وہ بھی ان پر مہربان ' دراصل صولت تھے ہی اس قدر محبت کرنے والے کہ سب ان کی قدر کرتے۔ پھپھو بھی بیوہ ہو کر یہیں آگئیں اور انہوں نے بھی صولت کو ہاتھوں چھاؤں کر کے رکھا۔ ان کو کبھی ماں کی محرومی کا احساس نہ ہو۔ یہی سب کی کوشش تھی۔ خود صولت بھی بڑوں میں بڑا اور بچوں میں بچہ بنے رہے۔ وہ سب کے مسائل حل کرنے پر تیار اور سب کی مدد کو حاضر۔ ہر کسی کی خدمت پر کمربستہ ' بے حد منکسر المزاج ' غایت

درجہ مفاہمت کرنے والے۔

بس بڑے ابا سے ہی فاصلہ تھا ' کیونکہ وہ اپنے مطالعے میں غرق رہتے یا اپنے حلقۂ احباب میں مشغول ' ریٹائر ہونے کے بعد ان کی زندگی زیادہ ہی تنگ ہوگئی تھی۔ اکثر تو وہ اپنے قریبی رشتے داروں کے نام بھول جاتے پھر صبح صبح وہ پھپھو کے کمرے میں آکر ان کے پلنگ کی پٹی سے ٹک کر بیٹھ جاتے اور رازداری سے پوچھتے۔

"سطوت! وہ جو بھائی افتخار ہیں نا ' ان کے بیٹے کا کیا نام ہے ' رات بھر یاد کرتا رہا۔ نیند غائب ہوگئی ' نام نہیں یاد آیا۔"

"ارے سطوت! کل جو صاحبزادے مجھ سے ملنے آئے تھے ' وہ کون تھے بھلا ' دماغ چکرا گیا؟"

پھپھو بتاتیں تو مسکراتے ہوئے چلے جاتے۔ کبھی کبھار تو انہیں یہ بھی یاد دلانا پڑتا کہ ابھی ناشتا نہیں کیا ہے ' یا کر چکے ہیں ' یا یہ کہ ابھی انہیں نہائے ہوئے چند گھنٹے ہوئے ہیں ' دوبارہ نہانے کی تیاری نہ کریں۔ اپنی اس بھول سے تنگ آکر کبھی کبھی وہ کہتے۔

"بھئی! اب ہماری بہو ہی آکر ہمیں سنبھالے گی۔ ہم تو اب بے کار ہوگئے۔"

اس کے باوجود ان کے دونوں بھائیوں نے انہیں گھر کا سربراہ بنا رکھا تھا اور تمام فیصلوں کے مجاز تھے وہ۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے حکم سے سرتابی کرے۔ سوائے اس کے کہ پھپھو ان کی مزاج شناس تھیں۔ وہی ان پر حاوی تھیں مگر غیر ضروری طور پر ان کے حکم کو چیلنج نہ کرتیں۔ بہت ادب کرتی تھیں ہاں کبھی کبھی ان کی غلطیوں کی نشاندہی ضرور کر دیتیں اور کبھی کبھار کسی مقصد کے تحت ان کے فیصلوں پر بھی اثر انداز ہو جاتیں۔

مثلاً" جب انہوں نے مکرم کے لیے اس کی خالہ کی لڑکی کو منتخب کر لیا اور چچی جان سے کہہ بھی دیا کہ رشتہ دے دو تو مکرم سنتے ہی بپھر گیا۔ بھوک ہڑتال اور احتجاجاً" اٹوائی کھٹوائی لے کر پڑ رہا۔ چچی جان یعنی مکرم کی والدہ بہت رنجیدہ تھیں۔ بڑے بھیا سے کیا کہہ کر

مکرم کی نامنظوری کی وجہ بیان کرتیں۔ تب پھپھو ہی تھیں جو خضر بن کر آئیں اور بڑے ابا سے نہ جانے کیا کہہ کر رشتے والی بات کو ختم کرا دیا۔

اگر وہ کہہ دیتیں کہ مکرم دراصل اپنی کلاس فیلو کو پسند کرتا ہے تو بڑے ابا اس کی فوری طور پر خالہ زاد سے شادی کرا دیتے۔ مکرم تو گھر سے بھاگنے کی پوری تیاری کر چکا تھا۔ اس کا بیگ تیار تھا اور معظم کو اسٹیشن بکنگ کے لیے بھیجنے کا انتظار کر رہا تھا۔ تب ہی پھپھو نے اس کے کمرے میں جھانک کر معصومیت سے کہا۔

"ارے تمہاری ماں کہاں غائب ہیں ' عین موقع پر کہیں چل دینے کی عادت ہے۔ اب وہ خود جا کر بڑے بھیا کو بتا دیں کہ کس طرح انہوں نے انعم کو دودھ پلایا تھا۔ جس کی وجہ سے انعم کے سارے بہن بھائی تو تمہارے دودھ شریک ہوئے ' تو یہ شادی تو ممکن ہی نہیں ' ناجائز ہے۔"

"کیا...... کیا پھپھو! ذرا آسان لفظوں میں سمجھائیں نا۔" وہ پھپھو کی طرف لپکنے کی کوشش میں پہلے اپنے سامان سے بھرے بیگ سے ٹکرا کر گرا ' پھر جو اٹھا تو تپائی سے الجھا۔ پھر وہ پھپھو کا آنچل تھامنے کی کوشش میں پائیدان سے ٹھوکر کھا کر دھڑام سے دروازے کے باہر جا گرا ' پھپھو نے بمشکل ہنسی دبائی۔

"میں کوئی بقراط کا سفرنامہ تو بیان نہیں کر رہی بھئی! جب تمہارے ساتھ انعم نے تمہاری ماں کا دودھ پیا تو اس کی چھوٹی بہن سے تمہاری شادی نہیں ہو سکتی۔ ہاں انعم سے پہلے کوئی لڑکی ہوتی تو اس سے ہو سکتی تھی۔"

یہ معاملہ بخیر و خوبی ختم ہوا گو کہ بڑے ابا کئی دن تک جھلائے رہے اور عورتوں کی جہالت ' ناعاقبت اندیشی پر لیکچر دیتے رہے ' جس کا لب لباب یہ تھا کہ عورتوں کو دوسروں کے بچوں کو دودھ پلانے کا شوق آخر کیوں ہوتا ہے؟ یہ سوال وہ کئی دن سب سے کرتے رہے ' مکرم نے خوشی میں سب بہن بھائیوں کو آئس کریم کھلائی۔

اور جب معظم میڈیکل میں داخلے کی کوشش کر رہا

تھا‘ بڑے ابا نے حکم صادر کر دیا کہ چونکہ خاندان میں پہلے بھی کئی ڈاکٹر موجود ہیں‘ اس لیے معظم کو انجینئر بننا چاہیے۔ پھپھو نے معظم کی روتی بسورتی صورت سے متاثر ہو کر بڑے ابا کو باور کرایا کہ بچپن سے ہی ایک کان کے مسلسل بہنے کی وجہ سے معظم کم سنتا ہے اور انجینئر کی حسِ سماعت بہت تیز ہونی چاہیے۔ ورنہ نقصان کا اندیشہ ہے۔ اس طرح معظم کو میڈیکل جوائن کرنے کی اجازت ملی لیکن صولت کا معاملہ تو الگ تھا۔ انہوں نے پھپھو سے کچھ کہا ہی نہیں۔ بتایا تک نہیں کہ آخر کیا تکلیف انہیں پہنچی ہے‘ وہ کوئی تدبیر کرتیں۔ پھر ہوا یوں کہ سب سے زیادہ ہردلعزیز‘ مقبول ہیرو جیسی صفات اور دیوتا جیسی شان والا ان کا دلکش کزن اچانک گونگا ہو گیا۔ اور یہ بڑی اذیت ناک خبر تھی۔ ان سب کے لیے جو صولت سے ہر قسم کی توقعات وابستہ رکھتے تھے‘ بیڈمنٹن کا مقابلہ ہو تو سب سے بہتر ریفری صولت‘ آپس میں جھگڑا فساد ہو تو سب سے عمدہ منصف صولت‘ جب سب بھائی لوگ لڑکیوں کو ان کی سہیلیوں کے گھر یا کسی تقریب میں لے جانے سے انکار کر دیں صولت مدد کے لیے حاضر۔ اب کیا ہو گا یہ سوال عزت‘ بہجت اور عشرت کے سامنے اپنی ہولناکی سمیت موجود تھا۔

❁ ❁ ❁

آغا صاحب پر فالج کا حملہ ہوا۔ انہیں ہاسپٹل میں داخل کر دیا گیا۔ آغا صاحب نہ صرف بڑے ابا کے قریبی دوست بلکہ عفت کے سسر تھے۔ جب عفت نے فون پر رو رو کر بتایا کہ کس طرح سسر کی طبیعت خراب ہوتے ہی وہ انہیں لے کر ہاسپٹل پہنچی اور ایمرجنسی میں کس قدر دقت ہوئی‘ بلکہ بے عزتی کہ وہ اکیلی دواؤں کی تلاش میں ادھر سے ادھر دوڑتی رہی کوئی ساتھی نہ مددگار۔

”بے وقوف... احمق کہیں کی‘ تم نے اسی وقت کیوں نہ فون کیا ہسپتال سے۔“ مکرم چیخا۔

”کیا تو تھا‘ کئی دفعہ کیا کوئی فون اٹھاتا تھا اور بند کر دیتا تھا۔ میرے میاں ہوتے تو مجھے یہ مصیبت کیوں ہوتی۔ تم بھائیوں کے ہوتے ہوئے میں... بالکل اکیلی تھی۔“ عفت رو رہی تھی۔

”اچھا اچھا چپ ہو جاؤ‘ ہم آتے ہیں۔“ مکرم نے فون بند کر دیا اور صولت کو ملامتی نظروں سے دیکھا۔

”صولت بھائی! عفت کے فون آئے اور آپ نے کسی کو بتایا تک نہیں‘ لکھ کر ہی دے دیتے۔“

”بڑے ابا‘ دوست کی عیادت کے لیے بے قرار تھے۔ صولت نے سب کو گاڑی میں بیٹھتے دیکھا اور پُرسکون انداز میں مسکرائے۔

ہاسپٹل کے قریب ٹریفک جام تھا۔ کسی ٹرک نے ٹیڑھا راستہ اختیار کیا تھا۔ سب پھنس کر رہ گئے‘ گاڑیوں کے ہارن‘ بسوں کے دھویں اور رکشاؤں کی فریادیں ساری فضا میں ناگوار شور اور تیل پٹرول جلنے کی بو رچی بسی تھی۔ سامنے لکھا تھا۔ ”ہارن بجانا منع ہے۔“

بڑے ابا جز بز ہو رہے تھے۔ ”اف کس قدر شور ہے اور دھواں... خدایا۔ اسی وجہ سے اوزون کو نقصان ہو رہا ہے‘ کسی کو احساس نہیں کہ ماحول کی آلودگی سے ہم کس قدر خطرے میں گھر گئے ہیں۔ یہ اوزون کی سطح کا پھٹنا ہی قیامت کا سبب بنے گا۔“

ہسپتال کے اندر جا کر بھی انہیں خطرات کا ہول سوار رہا۔ مکرم کا ایک دوست وہاں ڈاکٹر تھا۔ بڑے ابا نے اس کے ہاسپٹل کے باہر بے ہنگام شور اور ٹریفک کی بے ضابطگی کی بات کی‘ جس سے آلودگی بڑھ رہی تھی۔ اور مریضوں کو بھی شور سے زحمت ہوتی ہے۔

”آپ درست کہتے ہیں‘ مریضوں کو ہی نہیں ہم ڈاکٹروں کے انہماک پر بھی یہ شور اثر انداز ہوتا ہے۔ دراصل کسی مصروف بڑی روڈ کے اتنے قریب کوئی ہسپتال نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں بھی ذمہ دارانہ ڈیوٹی کے لیے سکون کی ضرورت ہوتی ہے مگر کیا کریں۔“

بڑے ابا عفت کے پاس گئے جو اپنی والدہ اور پھپھو کو سسر کی کیفیت سے آگاہ کر رہی تھی۔ بڑے ابا پر کئی دن اوزون کی سطح کے نقصان اور اس کی وجہ سے دنیا کو

خطرات کا سامنا۔ قیامت کی فکر سوار رہی۔ اب وہ اخبار میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسی خبریں پڑھا کرتے جن میں ماحولیاتی آلودگی‘ سبب اور سدِباب کا ذکر ہوتا۔

پھپھو نے کہا۔

”بس اب چھٹی ہو گئی ہفتوں کی۔ یہ فکر تو بڑے بھیا پر بری طرح سوار ہو گئی ہے۔ جس کا کوئی علاج ہی نہیں۔“

بڑے ابا اپنے دوستوں‘ رشتے داروں بلکہ ہر آنے والے مہمان کو ہر طرح کی معلومات (نقصانات) مہیا کرتے۔

”اب دیکھو‘ یہ کیا ہے۔ دنیا میں جو بے حیائی‘ لاقانونیت بڑھ رہی ہے‘ اس کا سبب بھی ماحول کی آلودگی ہے۔ نوجوان نسل بزرگوں سے باغی ہو رہی ہے۔ ہر کسی کو اپنی برتری کا غرور ہے۔ یہ نفسا نفسی‘ خود غرضی کس لیے ہے؟ جناب اوزون کی سطح کا شق ہونا معمولی بات نہیں۔ یہ اوزون ہے جو ہمیں سورج کی شعاعوں کے نقصانات سے بچاتی ہے۔ اور یہ قدرتی عمل ہے۔ جب ایک ٹھوس حفاظتی حلقہ کمزور ہو گا تو دنیا پر اس کے مضر اثرات ظاہر ہوں گے۔“

”جی... جی بالکل۔“ مہمان سر ہلاتا۔

”مگر دکھ اس بات کا ہے کہ کوئی اس کو اہمیت نہیں دیتا۔ کاروں میں ریڈیو نصب ہیں‘ جو سڑکوں پر موسیقی کی لہریں پھیلاتے ہیں۔ گھروں میں لوگ بغیر موسیقی کے رہ نہیں سکتے۔ جہاز پر بھی لوگ ٹیپ ریکارڈر لے جاتے ہیں۔ گویا کہ خلا میں بھی آلودگی پھیل رہی ہے۔ بسوں کے دھویں‘ انجنوں کا شور‘ تیل کی بدبو‘ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر‘ یہ کیا ہے؟ یہ سب نوع انسانی کے لیے خطروں کا سگنل ہے۔“ مہمان سر جھکائے سنتا رہا۔

❁ ❁ ❁

کافی دن صولت کے صحت مند ہونے کا انتظار کیا گیا۔

”آپا! آخر یہ ہوا کیا‘ نوکری ملتے ہی صولت کو چپ لگ گئی۔“ چچی جان سے رہا نہ گیا۔

”ہاں‘ پتا نہیں‘ حیرت تو مجھے بھی ہے مگر وہ کچھ بتاتا ہی نہیں۔ کوئی بات ہے ضرور‘ بچپن میں بھی دو چار دفعہ اس نے خاموشی اختیار کی تھی پھر اس کی ضد پوری کر دی گئی تو ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔“ پھپھو نے کہا۔

”مگر پتا تو چلے کہ کیا ہوا ہے‘ کوئی ضد ہے تو پوری کی جائے‘ ارے مکرم! تم ہی پوچھو۔“

”مجھے تو معاف ہی کریں۔ بھڑوں کے چھتے سے دور رہنا اچھا اور میری اتنی مجال کہاں کہ ان سے کوئی سوال کروں۔“

”سب کوشش کر چکے ہیں پھپھو۔“ بہجت نے کہا۔ ”مگر آپ کہیں تو میں پھر کوشش کروں۔“

بہجت اس صورت حال سے سخت بیزار تھی۔ گھر سناٹوں کی زد میں تھا ان دنوں اور اداسی چھائی ہوئی تھی سب پر۔ صولت کے لیے ان کے دوستوں کے فون آتے۔ اعظم‘ معظم ان کو جا کر بتاتے بغیر ایک لفظ منہ سے نکالے صولت آتے‘ ریسیور کریڈل پر جما کر واپس چلے جاتے۔

”ہائے میرے بچے کا منہ کیسا لٹک گیا ہے۔“ پھپھو نے ایک دن انہیں پکڑ لیا۔ ”میں صدقے‘ کس بات کا دکھ ہے تمہیں؟ کس سے شکایت ہے؟ کچھ تو بولو بیٹا۔“ صولت کمرا بند کر کے بیٹھ گئے۔

”ارے آپا! ایک بات سمجھ میں آئی ہے۔“ چھوٹی چچی نے آنکھیں چمکا کر کہا۔ ”کیوں نہ صولت کی شادی کی بات شروع کریں۔ ممکن ہے انہیں کوئی لڑکی پسند ہو۔ جب سنیں گے تو لازمی اپنی پسندیدہ لڑکی کا نام لیں گے۔“

”ارے ہاں‘ کوئی ہنگامہ شروع ہو تو شاید بڑے بھیا کی توجہ بھی اس کمبخت اوزون کی طرف سے ہٹے۔ ہر کسی کے آگے ماحولیاتی آلودگی کی رٹ لگا لگا کر...“

”رٹو طوطے ہو گئے ہیں۔“ معظم نے سادگی سے جملہ مکمل کیا۔ پھپھو نے غور نہیں کیا۔

”اب صولت برسرِ روزگار ہو گئے ہیں۔ یہی عمر ہوتی ہے شادی کی‘ دیکھ لینا بعد میں سب ضدیں بھول

جائیں گے۔"

"کہیں اس بے چاری لڑکی کی شامت نہ آجائے۔" معظم نے تشویش ظاہر کی۔

"کچھ نہیں ہوگا اور تم لوگ کیسے تکتے ہو۔ ابھی تک معلوم نہیں کرسکے، بلواؤ کسی طرح اسے۔"

اب سب بہن بھائی صولت کو بلوانے کے چکر میں انہیں تنگ کرنے لگے۔ معظم نے مری ہوئی چھپکلی ان کے سرہانے رکھ دی کہ بے ساختہ چیخ پڑیں گے۔ بہجت نے دھلے ہوئے کپڑے باتھ روم میں پانی سے بھری بالٹی میں بھگو دیے۔ استری شدہ سوٹ عشرت نے گٹھری بنا کر پلنگ کے نیچے ڈال دیے۔ مگر چپ کی وہ دیوار نہ ٹوٹی سب مایوس ہوگئے۔ صولت اس گھر کا سب سے خوش رنگ پھول تھا۔ اس کے مرجھانے سے خزاں کا دور دوراں ہوگیا۔

"صولت بھائی! پلیز اب اس مذاق کو ختم کریں۔ سچ ہم بہت پریشان ہیں۔" لگتا تھا صولت نے کچھ سنا ہی نہیں۔

"ہمیں معلوم ہے آپ سن سکتے ہیں۔ کوئی بیماری نہیں ہے آپ کو، چلئے آج ہمارے ساتھ چائنیز چلیں۔ مکرم کی جیب خالی کراتا ہے ناں۔" صولت مجسمے کی طرح ایستادہ تھے۔

"اشاروں سے ہی بتادیں۔ لکھ کردے دیں، چائنیز میں ڈنر کریں گے؟"

صولت سب کو ٹکر ٹکر دیکھتے رہے۔

"کسی نے جادو کردیا ہے، ورنہ گردن سے اشارہ ہی کردیتے۔"

"یا پھر کسی پر عاشق ہوگئے ہیں۔"

"فضول باتیں مت کرو، عاشقوں پر گونگے پن کا دورہ نہیں پڑا کرتا۔"

"پڑ بھی سکتا ہے بابا۔"

"نہیں بلکہ وہ شاعر بن جاتا ہے، ہر کس و ناکس کے سامنے شعر پڑھتا ہے۔ اپنی بے قراریوں کے راگ الاپتا ہے، سچی محبت کے گن گاتا ہے۔ اور بھی بہت سے ہنر آزماتا ہے، جس سے میں ابھی ناواقف ہوں۔"

"ابھی۔۔۔!"

"ظاہر ہے ابھی میں کسی پر عاشق نہیں ہوا۔"

"گویا مستقبل قریب میں امکان پایا جاتا ہے۔ تب ہی ریسرچ ہورہی ہے۔ کہ کیا کیا گن پیدا کرنے ہیں۔"

"ایک اور اضافی خوبی، یعنی عاشق کے سر پر سینگ بھی اُگ آتے ہیں اور سرخاب کے پر بھی۔"

صولت کے سامنے گفتگو ہوتی رہی۔ وہ گم صم کھڑے رہے۔ یہ سب کو یقین آگیا کہ صولت کو اپنے جذبات چھپانے میں اس درجہ کمال حاصل ہے کہ۔۔۔۔ ہنسی نہ سہی ناگواری ہی ظاہر ہو۔

بڑے ابا نے صولت کی پراسرار بیماری سے گھبرا کر ڈاکٹروں کو فون کرنے شروع کردیے اور جب وہ صولت کو دماغی ڈاکٹر کے پاس لے جانے کے لیے تیار ہورہے تھے تو ان کا کمرہ بند تھا اور کئی دن بند ہی رہا۔ بس صبح ناشتے کے وقت نمودار ہوکر پھر کمرے میں غروب ہوجاتے اور پھر رات کے کھانے کے وقت جگمگاتے۔ خاموشی اور راز داری ان کی زندگی میں داخل ہوچکی تھی۔ آفس کیسا ہے؟ اسٹاف کے ممبران سے تعلقات کیسے ہیں؟ کچھ معلوم نہ ہوسکا۔

"سروس ملنے کے پہلے دن بے چارے کی زبان بند ہوگئی۔"

عشرت اپنی سہیلی کو تاسف کے انداز میں باور کرارہی تھی۔ اس کی سب سہیلیاں صولت کے بارے میں خاصی جستجو رکھتی تھیں۔ بہجت اور عشرت دونوں ان کو کسی ماورائی مخلوق کی طرح ظاہر کرتی تھیں۔ عقیدت واحترام اور ادب کے ساتھ۔

"ارے یہ سروس کہیں ان کے لیے شادیٔ مرگ تو ثابت نہیں ہوئی۔" عشرت نے اسے گھورا۔

"بھئی میرا مطلب ہے۔" سہیلی نے جلدی سے صفائی پیش کی کہ ناامیدی میں خوشی کی اس خبر نے ان کے اعصاب ناکارہ کردیے ہوں گے۔

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
ناامیدی ان کی دیکھا چاہیے

سہیلی خشوع و خضوع سے ہل ہل کر شعر پڑھ رہی تھی۔

"اللہ نہ کرے فضول تبصرے اور بے کار شعر پڑھنے کی اجازت نہیں ملے گی۔"

صولت کے سامنے ان کی زبان بند ہونے کے باوجود عشرت کو گوارا نہ تھا کہ غیر اخلاقی گفتگو کا مرکز صولت بھائی بنیں، وہ سب کا آئیڈیل ہی نہیں دیوتا تھے، بول نہیں سکتے تھے۔ تو کیا ہوا۔ سن تو لیتے تھے۔ اس قسم کی گفتگو سے اپنی بہنوں کے اخلاقی دیوالیہ پن کا یقین ہوجائے گا اور صدمے سے مستقل ہی زبان نہ بند ہوجائے۔

"صولت بھائی! آخر آپ کا ہوگا کیا؟" عفت جب آتی بے حد فکر مندی ظاہر کرتی۔

"اور ٹریجڈی تو یہ ہے کہ خوابوں میں آنے والی حسینہ کو کس زبان سے حالِ دل سناتے ہوں گے۔"

"مگر وہ کبھی کہیں مل گئی تو کیسے کہیں گے۔"

"وہ کہیں گے کیسے، رقعہ بازی کریں گے مثلاً"۔ افسانہ نہیں ظالم، میرے دل کی حقیقت ہے مجھے تم سے محبت ہے، مجھے تم سے کاغذی ہے سب ہنسنے لگے۔

* * *

یہ خوابوں کی حسینہ کا بھی الگ قصہ تھا اور سب کو اندازہ ہوگیا تھا کہ مینا بازار میں اتفاقاً" ملنے والی حسینہ نے صولت بھائی کا دل چرا لیا ہے لیکن اب سے پہلے یعنی ان کی زبان بندی سے پہلے کسی کی جرأت نہ تھی کہ یوں اظہار خیال کریں بے تکلفی کے باوجود ان پر صولت کا خاصا رعب تھا۔ ہوا یہ کہ کسی مینا بازار میں بہجت نے بھی اسٹال لیا۔ اسٹال پر خالص نسوانی چیزیں تھیں۔ کانچ کی چوڑیاں، مہندی وغیرہ۔ اپنی مدد کے لیے وہ صولت اور معظم کو لے گئی تھی۔ چونکہ اس کا خیال تھا کہ وہ حساب میں ہمیشہ پھسڈی رہی ہے اور یوں بھی اسٹال پر شوقین خواتین کا ایسا جمگھٹا ہوگا کہ وہ بوکھلا جائے گی اور اس سے "رقوم سنبھالی نہ جاسکے گی۔ صولت بطور کیشیئر اور معظم مہندی لگانے پر مامور تھے۔

صبح سے وہ خالی اسٹال پر بیٹھی مکھیاں ماررہی تھی۔ غلطی سے اور بوکھلاہٹ میں وہ اپنا ٹیپ ریکارڈر لانا بھول گئی تھی۔ صولت اور معظم کو چھوڑ کر وہ اپنی ایک کلاس فیلو کے اسٹال پر "دل پشوری" کرنے چلی گئی۔ یعنی گانے سننے اور اس نے اس دن کچھ زیادہ ہی گانے سنے۔ بہجت تو پسندیدہ گانوں کے ساتھ دل پشوری کررہی تھی اور اسٹال پر لڑکیوں کا غول گھس آیا۔

ان میں ایک سچ مچ کی سنڈریلا بھی تھی۔ جیسے پوری کانچ کی بنی ہوئی نازک اور سفید، جوہی کی کلی وہ اپنی سہیلی کے ہمراہ تھی اور ستاروں کے درمیان چاند کی طرح دمک رہی تھی۔ شان اور وقار کے ساتھ چوڑیاں دیکھ رہی تھی۔ صولت نے ایسا حسن دیکھا نہ تھا۔ ایسی شان کسی میں پائی نہ تھی۔ مہذب، سنجیدہ، باوقار۔

وہ کچھ دیر تک اسٹال پر رکی رہی۔ صولت نے اس کی چینی کی سفید بانہوں میں کانچ کی چوڑیاں پہنائیں۔ اس کی تمام سہیلیوں کو بھی۔ ان کا جی چاہ رہا تھا، پورا اسٹال اسے تحفے میں بخش دیں مگر بہجت کی امانت میں خیانت کرکے گناہ گار ہوتے۔

ان کا گروہ دیکھ کر اور لڑکیاں بھی ادھر آگئیں۔ خاصے منافع کے ساتھ چوڑیاں فروخت ہوئیں، بہجت کو ہوش آیا اور وہ اسٹال پر آئی تو ہکا بکا ہوگئی۔ اپنی بے زاری اور تھکن ظاہر کرنے کے لیے وہ کراہتے ہوئے آئی تھی مگر یہاں کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ صولت اور معظم بے حد مصروف تھے۔

گھر پہنچ کر حساب لگایا گیا تو خاصی آمدنی ہوگئی تھی۔ معظم نے پامسٹ بن کر لڑکیوں کو مستقبل کی خوشیوں کی آس دلا کر خاصا کمالیا تھا۔

"اور وہ مہندی تھی۔" بہجت نے یاد دلایا۔

"مہندی کو مارو گولی۔" معظم نے کہا۔ پھر بہجت کی گھورتی آنکھوں سے ڈر کر بولا۔

"بھئی! یہ جملہ تو وہاں ایک لڑکی نے کہا تھا۔ میں مہندی لگانے کی پیش کش کررہا تھا تو وہ بولی، مہندی کو

مارو گولی، ہم اگلے اسٹال پر نجومی کو ہاتھ دکھانے جا رہے ہیں۔ بس پھر میں نے بھی ایک بڑے کاغذ پر سنہری حرفوں میں پامسٹ ایم غنی لکھ کر پاس پر چپکا دیا۔ مت پوچھو کہ ایک روپے میں کیا کچھ بکواس کرنا پڑی۔ حلق سوکھ گیا۔ بس ایک خوشی نصیب ہوئی صولت بھائی کو ان کی پسند کی لڑکی نظر آ گئی اور وہ پُرجوش نظر آنے لگے۔"

"سچ؟ سچی؟ ہے کون وہ؟"

"ہو گی کوئی، چوڑیاں پہننے آئی تھی۔ آئی اور چلی گئی۔ ساتھ ہی ہمارے دل بھی لے گئی۔ مطلب یہ کہ میرا دل بھی صولت بھائی کے ساتھ ساتھ دھڑکتا ہے۔"

"اس دن تو سب نے محض تبصرے کیے۔ لڑکی کے بارے میں نہ پوچھ سکے مگر اب وہ صنم بکم ہو چکے تھے اور ان کا نام پتا ان کے سینے کے گہرے غار میں پوشیدہ تھا۔ تو اس معاملے میں بھی چپ کی بکل مارے بیٹھے رہے۔

* * *

گھر وہ ہوتا ہے جہاں سکون ہو، محبت اور اخلاص ہو، مروت و مہربانی ہو، یگانگت اور دوستی ہو۔ گو کہ ان کا گھر بھی بہت شاندار تھا۔ اور ایک زمانے میں سب محبت سے رہتے تھے۔ دوستی یگانگت بھی تھی۔ مگر وقت نے سب کچھ بدل ڈالا تھا۔ اور دکھاوا، منافقت، مصلحتیں محبتوں پر حاوی ہوتی جا رہی تھیں۔

اشنا کو بے حد افسوس ہوتا مگر وہ کیا کرتی۔ ابا کو تو کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ انہیں تو بے وجہ محبت و مروت اور ایثار و رواداری کے، ہر بات نظر انداز کرنے کی عادت تھی۔

اور اب تو اس عادت کو اتنا عرصہ گزر چکا تھا کہ ان کی حس بھی مردہ ہو گئی تھی۔ وہ انکساری کی چلتی پھرتی تصویر بن گئے تھے۔ اپنے بڑے بھائی سے کس طرح مقابلہ کرتے اور کیوں کرتے دولت عزت پوزیشن رسوخ وہاں سب کچھ تھا۔ یہاں صرف بے غرض چاہت اگر کوئی موقع آتا تو وہ اپنے بھائی بھاوج بھتیجے بھتیجیوں پر جان بھی قربان کر دیتے اور اس پر ناز کرتے۔

اپنے خلوص اور انکساری کے سبب وہ تھوڑی بہت عزت کروا لیتے تھے۔ انہیں اندازہ ہی نہیں تھا کہ بڑے بھائی کے گھر کی پالیسی آہستہ آہستہ تبدیل ہو رہی ہے۔ اور تعلقات میں سرد مہری کا عنصر بڑھتا جا رہا ہے۔ ان کی سادگی اور اخلاص کی وجہ سے ان کو تو پھر بھی کچھ وقعت دی جاتی لیکن گھروں کا جہاں تک معاملہ تھا نمایاں فرق ہو رہا تھا۔

نورین ان کی بھتیجی تھی۔ کچھ عرصے سے اس کو اپنی ذات میں برتری نظر آنے لگی تھی۔ اس نے اپنی امی کو بھی اپنی راہ پر لگا لیا تھا اور ان کے رویے بھی بدلنے لگے تھے۔

پہلے یہ ہوتا تھا کہ جب بڑے گھر میں رنگ و روغن ہوتا تو چھوٹے گھر میں بھی لازمی ہوتا۔ فرنیچر بنوایا جاتا تو بلا کے چھوٹے گھر میں بھی تبدیل کر دیا جاتا۔ مگر یہ سب تو بڑے بھائی کرتے تھے۔

اب گھر کے معاملات نورین نے اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے اور بڑا گھر دن بہ دن بارونق اور آرائشی اشیاء سے سجا سجا رہنے لگا۔ جب کہ چھوٹے گھر کی دیواریں میلی اور بے رونق ہو گئیں۔ سب سامان بوسیدہ اور خستہ ہونے لگا اور غیر محسوس طریقے پر امیری اور غریبی کے فرق نمایاں ہو گئے۔

نورین اپنی برتری کے اظہار کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی۔ جب بھی ان کے گھر کوئی نئی قیمتی چیز آتی وہ اشنا کو بلا کر دکھانا نہ بھولتی۔ شروع میں تو اشنا بھی بے خبر رہی مگر رفتہ رفتہ اسے نورین کے رویے میں کوئی تلخی سی گھلی نظر آنے لگی۔

نورین کے ہاں ہر سال فرنیچر اور پردے بدلے جانے لگے۔ سامان آرائش میں ترقی ہوتی رہی۔ گھر عجائب گھر بن گیا۔ جہاں قیمتی نوادرات کی بھرمار ہوتی ہے پھر بھی اشنا نے کوئی خیال نہ کیا۔ مگر کہاں تک۔

نورین اپنے ماموں، خالہ کے لڑکے لڑکیوں کو دعوت پر بلاتی اور اشنا کو بھی۔ نورین کی ننھیال بے حد ایڈوانس فیشن زدہ اور دولت مند تھی۔ قیمتی لباس مہکتے وجود

دمکتے چہرے، شوخ ادائیں، قہقہے، چہلیں، یہ ان نوجوان لڑکے لڑکیوں کے انداز تھے۔ اشنا کو اپنا وجود عجیب لگتا۔ وہ سب سے الگ تھلگ بیٹھی ان لوگوں کو دیکھا کرتی۔

نورین اپنے ماموں، ان کی اولاد اور خالہ زاد بھائیوں کے بیش قیمت تحائف اشنا کو دکھاتی، جو نورین کی سالگرہ یا اس کے کسی امتحان پاس کرنے پر اسے ملا کرتے۔ تائی نے نورین کی شادی پر دس ہزار روپے اور ہیرے کا سیٹ دینے کا ارادہ کر رکھا تھا۔

نورین تو بے تابی سے اپنی شادی کی منتظر تھی۔ جب تائی کے تحفے سے اپنا بدن سجائے گی اور ماموں، ممانی تو الگ الگ زیورات دیں گے۔ آخر وہ ان کی اکلوتی بھانجی تھی۔

اشناء کو یہ سب بتاتے ہوئے نورین کا لہجہ فخریہ ہوتا اور چہرے پر اس کے لیے ترس بھی کہ بے چاری اشنا کا تو ایک ہی ماموں، وہ بھی اسکول میں ہیڈ ماسٹر گو کہ اشنا کو تو اپنے ماموں میں کبھی کوئی کمی نظر نہ آئی۔ بے حد عظیم تھے ماموں، محبت و شفقت سے لبالب بھرے ہوئے۔ اور بے انتہا سادہ۔ بغیر بستر کے بھی تخت پر لیٹ کر سو جاتے۔ اور زمین پر بیٹھ کر اسی اطمینان سے کھانا کھا لیتے جیسے کسی سجی سجائی میز اور کرسی پر شان سے بیٹھے ہوں۔ وہ کچن میں بھی کچا پکا کھانے میں عذر نہ کرتے۔ درویش صفت ماموں اشنا کو عزیز تھے اور وہ بھی اشنا پر جان دیتے تھے۔

ایک روز نورین نے واضح طور پر کہا۔ "کاش میرے چچا بھی ابا کی طرح کسی بڑی پوسٹ پر ہوتے یا میرے ماموں اور خالو کی طرح بڑے بزنس مین ہوتے تو اپنی فرینڈز کو کس قدر فخریہ انداز میں اشنا سے متعارف کراتی۔ کالج میں بھی میری شہرت ہوتی کہ ننھیال ددھیال دونوں طرف سے میں مضبوط پوزیشن رکھتی ہوں، ہائے، مگر میرے بے چارے چچا۔"

اشنا کو نورین کی ذہنیت پر بہت افسوس ہوا۔ جو رشتوں کو پوزیشن کے حساب سے جانچتی ہے۔ نورین اس سے کئی سال بڑی تھی۔ اور وہ اسے آپا کہتی تھی۔ مگر بڑی اماں نے اسے ٹوکا کہ وہ نورین کا نام لیا کرے، ورنہ لوگ اس کی عمر کے بارے میں مشکوک ہو جائیں گے۔ برسوں کی عادت تھی بمشکل چھوٹی۔

پہلے بھی بلا تکلف ان کے گھر چلی جاتی تھی۔ جب جی چاہا، صحن کی کھڑکی کھولی اور ان کے صحن میں کود گئی۔ کبھی بڑی اماں خود بھی اسے بلوا لیتی تھیں۔ اپنے سر میں تیل مالش کروانا ہوا یا کوئی خاص ڈش بنوانا ہو یا دوپٹے یا کرتے پہ بیل لگوانا ہو۔ بڑی اماں کو ہر موقع پر اشنا کا کام یاد آتا۔

مگر اب بڑی اماں بھی تکلف کرنے لگیں اسے دیکھ کر نیند کا بہانا کر کے لیٹ جاتیں، کبھی مصروفیت ظاہر کر کے بے رخی برتنے لگتیں اور رفتہ رفتہ اشنا ان کے رویے سے واقف ہو گئی اور پوزیشن کا فرق بھی اس پر واضح ہونے لگا تو اس نے بڑے گھر کی کھڑکی بند ہی کر دی اور اپنے گھر کی طرف متوجہ ہو گئی۔

سامان نیا نہ سہی، دیواریں میلی سہی، اس کے ہاتھ بے حد صنعت کار تھے۔ اب اسے اپنی صلاحیتیں آزمانے کا موقع ملا، جہاں دیوار پر دھبہ نظر آیا۔ اس پر اپنے ہاتھ سے سینری بنا کر، کبھی کڑھائی کر کے، کبھی رنگ اور برش کے استعمال سے تصویر بناتی، فریم کروا کر لگا دیتی۔ فرنیچر بوسیدہ تھا۔ اس پر پالش منگا کر خوب چمکایا۔ نئے نئے کشن بنا کر رکھے۔ کڑھائی کے خوش رنگ پھولوں سے مزین صوفہ۔ بیک لگائے، غربت کو دور کرنے کا طریقہ اسے آ ہی گیا۔

چچا ابا آتے تو اشنا کے نہ آنے کا شکوہ کرتے۔ بہزاد نواز آ کر خفا ہوتے کہ وہ غیروں کی طرح بلانے پر ہی آتی ہے۔ "پہلے بھی تو آتی تھیں، اب کیا تم میں سرخاب کے پر لگ گئے ہیں۔"

انہیں علم نہ تھا کہ ان کا گھر اس کے لیے ممنوعہ علاقہ بن گیا ہے۔ اور وہ زمانہ اب خواب بن گیا تھا۔ جب وہ ان کے گھر جاتی تو بہزاد، نواز اور فراز اس کا مذاق اڑاتے۔ اور اس سے خوب کام لیتے، طرح طرح سے تنگ کرتے۔

"چائے گھوٹ کر لاؤ۔"

"کافی دم کرو اور قہوہ پیش کرنا۔"

"آئس کریم اچھی طرح پیک کرانا۔"

اور وہ ان کے کام کر کے کبھی نہ تھکتی۔ نہ برا مانتی اور یہ پچھلے سال کی بات تھی' وہ نورین کی تبدیلی سے پورے طور پر تو آگاہ نہیں ہوئی تھی مگر اس کی دبی زبان سے پرغرور جملے اور مقابلے کے سے فقرے بہت کچھ سمجھا رہے تھے۔ پھر بھی جب اس نے سنا کہ فراز بھائی چھٹیوں میں یونیورسٹی سے گھر آئے ہیں۔ وہ دوڑی دوڑی گئی۔ فراز بھی اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔ ایک پرجوش نعرے کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔

"میں سوچ رہا تھا گھر میں بے رونقی سی ہے۔ نورین جب اشنا آئے تو بجلی نہ جلایا کرو' ضرورت ہی نہیں رہتی۔" نورین کے چہرے پر بے زاری چھا گئی۔ اور اشنا خجالت سے پانی پانی ہو گئی۔ لیکن چند لمحوں بعد ہی بہزاد اور فراز کی باتوں میں بھول گئی۔

فراز نے اسے ایک خوبصورت چار رنگوں کا دوپٹا نکال کر دیا۔ اشنا نے ابھی اس کا شکریہ ادا بھی نہیں کیا تھا کہ نورین بگڑ کر بولی۔

"اچھا جی' پوشیدہ تحفے دیے جا رہے ہیں۔ اتنا خوبصورت دوپٹا' اور مجھے بتایا تک نہیں۔"

"خوبصورت لوگوں کو خوبصورت تحفے ہی دیے جاتے ہیں۔" فراز مسکرا کر بولا۔

"تمہیں بھی تو دوپٹا دیا ہے میں نے۔"

"مگر مجھے یہ والا زیادہ اچھا لگ رہا ہے۔" وہ ضدی لہجے میں بولی۔

"اشنا نے جلدی سے کہا۔ "نورین آپی! تم یہ لے لو۔"

فراز نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"نہیں اشنا! یہ صرف تمہارے لیے ہے' تمہارا تصور کر کے ہی خریدا ہے' تم پر اچھا لگے گا۔"

نورین کچھ چڑ گئی۔ "بھائی ذرا اس کی قیمت بھی ان کو بتا دو ہوش نہ اڑ جائیں تو کہنا۔ زندگی بھر اتنا قیمتی تحفہ نہ ملا ہو گا انہیں۔"

اشنا کے دل پر بوجھ سا گرا۔ فراز نورین کو ڈانٹ رہا تھا۔ وہ دوپٹا وہیں رکھ کر واپس آ گئی۔ اسے نورین کی ذہنیت پر افسوس ہوا اور یقین ہو گیا کہ دونوں کے دلوں میں دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ گھر آ کر بھی اسے نورین کے چہرے کی غیظ و غضب کی سرخی اور آنکھوں میں تیرتی نفرت کا خیال آتا رہا۔ وہ اس خیال کو دل سے نکال دینا چاہتی تھی مگر۔ ایک کانٹا سا تھا جس کی چبھن اسے چین نہ لینے دے رہی تھی۔ نورین کے اس درجہ غصے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔

رات کو فراز' چچا' چچی سے ملنے آ گیا۔ امی کے بلانے پر وہ باہر آئی تو امی نے خوش ہو کر کہا۔

"لو اشنا! دیکھو تو فراز تمہارے لیے کتنا خوبصورت دوپٹا لائے ہیں۔ دیکھو بیٹی' اس میں تو کئی رنگ ہیں۔ تمہارے کئی سوٹوں کے ساتھ چل جائیں گے۔ اور یہ تم پر اچھا لگے گا۔"

اشنا شرمندہ ہو گئی۔ "فراز بھائی! آپ مجھے نورین والا دوپٹا دے دیں۔"

"انتخاب کا حق تحفہ دینے والے کو ہوتا ہے نہ کہ لینے والے کو۔" فراز نے کہا۔

کئی دن بعد جب ابا امی بڑے گھر گئے ہوئے تھے۔ اشنا اکیلی تھی۔ دل گھبرایا تو وہ بھی کھڑکی کے راستے صحن میں آ گئی۔ چھت پر نواز کھڑا تھا۔ اس نے اشارے سے اوپر آنے کا کہا۔ تو وہ گیلری میں چلی آئی۔

اور ابھی دو سیڑھیاں ہی چڑھی تھی کہ کمرے میں نورین کی آواز آئی۔ شاید وہ اوپر چلی ہی گئی ہوتی مگر اپنا نام سن کر ٹھٹک گئی۔

"امی! آپ صاف لفظوں میں اشنا کو منع کر دیں۔ بھائی کی موجودگی میں اس طرح دندناتے ہوئے آتی ہے جیسے یہ گھر اس کی سسرال ہے۔ آ جاتی ہے بن سنور کر اپنا حق لینے۔ سخت زہر لگتی ہے مجھے اور بھائی' ہونہہ......!"

نورین تلخ آواز میں کہہ رہی تھی۔

"ارے تو میں کیا اپنی زبان سے کہوں کہ بیٹی تو میرے بیٹے کا خیال چھوڑ دے۔ نہیں اتنی بے مروتی میں نہیں ہو سکتی۔ بچپن سے آ رہی ہے' غیر تو نہیں

ہے۔" بڑی اماں بولیں۔

"بچپن کی اور بات تھی' اب تو بہت فرق ہو گیا ہے۔ کیا ہم بارات لے کر ان کے گھر جائیں گے؟ دیکھ لینا امی! بھائی امتحان پاس کرتے ہی شادی کے لیے اس کا نام تجویز کریں گے اور آپ لاڈلے بیٹے کی ضد سے مجبور ہو کر ان کے پھٹے پرانے گندے گھر میں دوڑی چلی جائیں گی بھیک مانگنے۔"

نورین کی زبان زہر میں بجھے تیر پھینک رہی تھی۔ انگارے اگل رہی تھی اور اشنا اس کے الفاظ کے شعلوں میں جھلسی جا رہی تھی۔ کس قدر حقارت تھی اس کے لہجے میں۔ اشنا بے آواز قدم رکھتی اپنے خالی گھر میں آ گئی۔ امی' ابا' چچا ابا کے بڑے سے سرسبز لان میں بید کی کرسیوں پر فراز سے محو گفتگو تھے اور وہ صرف وہ ہی کسی ان دیکھی آگ میں جھلس رہی تھی۔

"اپنے پیارے سے گھر کی۔" وہ ذہن میں اچھے اچھے خوش کن الفاظ تلاش کرتی رہی' مگر نورین کی آواز اس کی سماعت میں زہر گھولتی رہی۔ "پھٹے پرانے گندے گھر میں۔"

"انشاء اللہ! ایسا کبھی نہیں ہو گا نورین آپا!" اس نے خود کو یقین دلایا اور پر سکون ہو گئی۔

امی' ابا کے ساتھ فراز بھی آ گیا اور رات کا کھانا کھا کر گیا۔ جاتے جاتے رک کر اس کے سر پر چپت رسید کر کے بولا۔

"بہت معزز ہستی ہو گئی ہو۔ اب تم سے ملنے کے لیے تمہارے گھر آنا پڑے گا؟"

وہی پھٹے پرانے گندے گھر کی سمت اشارہ۔ وہ خاموشی سے پانی کی جگہ زہر کے گھونٹ بھرتی رہی۔

فراز واپس چلا گیا۔ اشنا کے سر سے بوجھ اتر گیا۔ وہ اپنے گھر کو سجانے سنوارنے کی از سر نو کوشش کرنے لگی۔

امی خفا ہوتیں۔

"دن دن بھر صفائیاں کرتی ہے' کبھی کچھ بنا رہی ہے' کبھی کچھ سی رہی ہے۔ بیٹا! آرام بھی کر لینا چاہیے' شیشے کی طرح فرش چمکا دیے ہیں۔ دیواروں کو خوبصورت تصویروں اور سینریوں سے آئینہ خانہ بنا دیا' اب اور کیا چاہتی ہے بیٹی؟"

نہ جانے وہ کیا چاہتی تھی' غربت کے آثار مٹانا تو شاید آسان ہو۔ ذہنوں سے تکبر کے جالے صاف کرنا ناممکن۔

نورین کبھی کبھی آتی' آنکھیں گھما گھما کر چمکتے فرش اور جگمگاتی دیواریں دیکھتی' پھر اپنے ماموں' ماموں زاد بھائی بہنوں کی دولت امارت کے چرچے کرتی' اعلا معیار زندگی کے بیان کرتی اور اس کی رنگوں دھاگوں سے بنی کاوشوں کو طنز کی نظر سے دیکھ کر ان کی اعلا درجے کی قیمتی پینٹنگز یا کرسٹلز کے گلدانوں کا تذکرہ شروع کر دیتی جو اس کے کزنز وافر مقدار میں اٹھا لائے تھے اور گھر میں ان کو رکھنے کی جگہ ہی نہیں تھی۔

اشنا لاپروائی سے سنتی رہتی اور خاموش رہتی۔

نورین کو اس کی خاموشی بھی اچھی نہیں لگتی تھی۔

اب وہ اکثر اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاتی یا بلوا لیتی' مگر اس مہربانی میں بھی اس کا کوئی مقصد پوشیدہ ہوتا۔ اس کے ماموں زاد اپنی چمچماتی گاڑیوں میں آتے' نئی فلموں' مشہور گلوکاروں پر گفتگو کرتے' بڑے بڑے ہوٹلوں کا ذکر ہوتا' امریکہ' سوئٹزرلینڈ کی سیر گاہوں کے تذکرے' اشنا صرف موجود ہوتی جسمانی طور پر' اس کا دماغ اسی پھٹے پرانے گندے گھر میں گھوم رہا ہوتا۔

وہاں اکثر موجود ہونے سے یہ علم ضرور ہوا کہ ماموں کا نمبر تین بیٹا اظہر' نورین میں دلچسپی لے رہا ہے۔ حالانکہ یہ نورین کا خیال تھا۔ نورین خود اس میں دلچسپی لے رہی تھی۔

ماموں کی تو ایک ہی شرط تھی' اظہر جہاں بھی شادی کرے گا۔ اس لڑکی کے بھائی کو عرفانہ' اظہر کی بڑی بہن سے شادی کرنا پڑے گی۔

اور یہ بات خاصی مشہور تھی' شاید اسی لیے نورین' اشنا کو ریجیکٹ کر رہی تھی' فراز کی شادی عرفانہ سے نہ ہوئی تو نورین بھی اظہر کو نہ پا سکے گی اور ماموں کی وہ شان و شوکت' بڑا سا بنگلہ' ان کی شہر بھر میں عزت و شہرت' ماموں کے دونوں بڑے بیٹے اپنی شادیوں کے

بعد ہنی مون منانے سوئٹزرلینڈ گئے تھے۔ نورین کے لیے یہ کس قدر فخر اور اعزاز کی بات ہوتی۔ خاندان میں اس کی خوش قسمتی کے چرچے ہوتے۔ خاص طور پر اشنا۔۔۔ اشنا کو مرعوب کرنے کی تمنا۔

❁ ❁ ❁

اس دن ماموں آ گئے تھکے ہوئے پژمردہ سے' امی ان کو آرام کی تاکید کر رہی تھیں۔ مرجھایا ہوا چہرہ' بے رونق آنکھیں' نیلی رگوں سے بھرے ہوئے ان کے ہاتھ۔ بستر پر لیٹتے ہی سو گئے۔ اشنا کو ہنسی آ گئی۔ کروٹ بدلتے ہی ماموں کے منہ سے آہ نکلی تو اشنا دوڑ کر ان کے پاس جا پہنچی۔

"ماموں! کہیں درد ہے' میں دبا دوں؟"

ماموں ہنسنے لگے۔

"ارے بیٹا! میرا تو سارا درد تمہاری شکل دیکھ کر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس گھر میں آتے ہی میری جملہ تکالیف یوں ہوا بن کر اڑ جاتی ہیں' جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔"

"کیسے ماموں؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ایسے کہ یہ گھر وہ جنت ہے' جہاں سکھ ہی سکھ' آرام ہی آرام ہے۔ میری بہن کی یہ جنت مجھے بے حد عزیز ہے اور اس جنت کی حور تم ہو۔ تمہاری شکل میں مجھے زندگی کی ساری مسرتیں مل گئی ہیں۔"

"مجھ میں تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"میری نظر سے دیکھو تو خاص بات نظر آئے گی۔ خوبصورت' خوب سیرت' معصوم' فرمانبردار اور سب سے محبت کرنے والی' ذہین اور باوقار۔"

"میں۔۔۔؟ ماموں میں؟ یہ ہوں آپ کی نظر میں؟"

وہ زور سے ہنس پڑی۔

"ہاں بیٹا! یہ تم ہو' جو اس گھر کی رونق ہو اور تم سے ہی یہاں بہار کا موسم ٹھہر سا گیا ہے۔"

"مذاق کر رہے ہیں؟" وہ کھسیا گئی۔

"مذاق کیوں کرتا؟ مجھے تم اور تمہاری ماں اور باپ اور یہ گھر۔۔۔ دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز ہے۔ مجھے تو یہاں بہار ہی بہار نظر آتی ہے' اسی لیے اس قدر سکھ ملتا ہے مجھے یہاں آ کر۔ اپنی تمام فکریں اور سارے دکھ اس گھر کی دہلیز کے باہر چھوڑ آتا ہوں۔"

"اس گھر میں کیا ہے؟ نہ دولت کے آثار' نہ آرائش کا سامان' نہ آسائشیں۔" وہ رنجیدہ ہو گئی۔

نورین کے ماموں کا وہ وسیع و عریض بنگلہ' ان کے گھر میں نوکروں کی فوج اور ہر کمرا جیسے نگار خانہ' خود چچا ابا کا گھر' خوبصورت اشیاء اور رنگین قالینوں سے مزین اور میرا بے چارا۔ پھٹا پرانا گھر۔ نورین کے ماموں اپنی اولاد کے ساتھ آتے تو ان کے جسم سے اٹھتی قیمتی پرفیومز کی مہکتی خوشبو پورے گھر کو سحر میں مبتلا کر دیتی۔

"دولت اور آسائش اور کیسی ہوتی ہے۔ بیٹا! جہاں محبت اور اتفاق ہے' اس سے بڑھ کر اور کیا دولت ہو گی۔"

اشنا کھلکھلا کر ہنس دی۔ "ہائے میرے معصوم ماموں! دولت کی چمک دمک سے بھی واقف نہیں۔"

"دیکھو۔۔۔ سنو۔۔۔! یہ خوش آواز ہنسی کی جھنکار' یہ ہے سچی خوشی' بیش قیمت مسرت۔ اس دولت سے بڑھ کر اور کون سی دولت ہو گی۔ نہ جس کی چوری کا خدشہ نہ گم ہونے کی فکر۔"

ماموں باتیں کرتے کرتے پھر سو گئے۔ ماموں کس قدر معصوم ہیں سادہ اور لاتعلق' انہیں علم نہیں۔ خواہشیں تو بے لگام ہوتی ہیں اور میری اس سادہ سی فضول احمقانہ ہنسی میں بھلا کون سا خزانہ چھپا ہوا ہے۔ شاید ماموں کو پیدل چلتے ہوئے قدموں کی تھکن کسی کار کے حصول کا راستہ نہیں دکھاتی' اپنے گھر کے بوسیدہ دروازے اور دراڑیں پڑی دیواروں کو دیکھ کر کبھی تو کسی شاندار بنگلے کی تمنا ہوتی ہو گی۔

ممانی کی بد مزاجی' تلخ زبانی سے تنگ آ کر کبھی تو انہیں ایک شیریں زبان' خوش شکل' سلیقہ شعار بیوی کی آرزو ہوتی ہو گی۔ وہ تو یہاں آ کر جنت کے مزے لوٹا کرتے ہیں۔ امی کہتیں۔ "سونے دو' اپنے گھر میں تو اسے چین کی نیند بھی نصیب نہیں ہوتی۔ یہاں آ کر ہی تو آرام کرتا ہے۔" اشنا ممانی کی تلخ بیانی کو یاد کر کے

افسردہ ہو گئی۔

ماموں سوئے ہوئے تھے تو بہزاد آگیا۔ رازداری سے بولا۔

"کیا آپ کے ماموں آئے ہوئے ہیں؟ دراصل میں ان سے۔ یعنی مجھے ان سے ضروری ملنا ہے۔"

"کیوں۔؟" اشنا حیران ہو گئی۔ اپنے ماموں سے ملنے کے بعد کیا اور کسی ماموں سے ملنا ضروری ہو سکتا ہے۔

"بات یہ ہے کہ مجھے مشہور شخصیات اور بلند پایہ ادیبوں سے ملنے کا شوق ہے اور آٹوگراف بھی لینا ہے مجھے۔ چند سوالات بھی کروں گا۔ بس اس لیے۔ یہ حیرت سے کیوں دیکھ رہی ہیں آپ مجھے؟ کوئی غلط بات کر دی ہے۔ میں نے؟ اوہ! اصل میں آپ کے ماموں کی لکھی ہوئی ایک کتاب تو پہلے بھی ہمارے نصاب میں شامل تھی۔ اب دوسری کتاب بھی آگئی ہے۔ اوہ! میرے سارے کلاس فیلوز' اور ٹیچرز تو ان کی تصنیفات کے دیوانے ہو گئے ہیں' بے حد مفید معلومات سے بھری ہوئی اور بہترین ادب سے مزین۔ کیوں؟ غلط تو نہیں کہہ رہا میں۔؟"

اشنا کندھے اچکا کر رہ گئی۔ وہ بہزاد کی باتیں سمجھنے سے قاصر تھی۔

"میں نے تو اپنی کلاس میں ڈینگیں ماری ہیں کہ یہ مصنف میرے ماموں صاحب ہیں۔ تو پورے کالج میں میری دھوم مچ گئی کہ بھئی واہ! یہ بھانجا ایسا ہے تو ماموں کیسا ہو گا' یعنی اب کچھ غلط بول گیا۔ خیر' تو سب لوگ ماموں سے ملاقات کے متمنی ہیں اور میں نے سب کو بتا بھی دیا ہے کہ وہ اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہیں۔ اس کی وجہ سے ان کی قابلیت کی اور بھی شہرت ہو گئی ہے' جو ہے' وہ میری خوشامد کر رہا ہے کہ یار! اپنے ماموں کی زیارت کرا دے لیکچرار ہیں' وہ یاددہانی کراتے رہتے ہیں۔ کل لے آؤں سب کو؟"

بہزاد نے بات ختم کی تو اشنا نے لمبا سانس لیا۔ وہ تو سانس روکے اس کی لن ترانی سنے جا رہی تھی۔

"آج ہی لے آؤ' رات کو ماموں چلے جاتے ہیں۔"

اس نے آسودگی کے عالم میں آنکھیں بند کر لیں۔

کیا ہوا جو ماموں کے پاس دنیاوی مال و دولت نہیں۔ ظاہری شان و شوکت نہیں۔ علم' وہ بے بہا خزانہ ہے' جس میں کمی نہیں ہوتی۔ نہ اس کے چوری ہونے کا ڈر' نہ گم ہونے کا خطرہ۔

شام کو بہزاد اپنے ساتھ اپنے لیکچرار سر شکور اور سر سلمان کے علاوہ چھ لڑکوں کو لے کر آگیا۔ دو گھنٹے تک وہ لوگ ماموں کے ساتھ گفتگو میں شریک رہے۔ جاتے وقت وہ اشنا کے قریب آیا۔

"میرے دوست کہہ رہے ہیں کہ سر' ماموں اسلام صاحب نے تو اپنے علم و فضل سے ہمارے ذہنوں اور دلوں کے دریچوں کو روشنی سے منور کر دیا ہے۔ مگر تمہاری بہن نے اپنے مزے دار ہاتھوں سے جو کباب' دہی بڑے اور کیک بنا کر کھلایا ہے وہ ہمارے معدوں میں جا کر امر ہو گیا۔ اور زبان کے اس چٹخارے کو ہم ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ شکریہ کہہ کر گئے ہیں اور پتا ہے' میں نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ آپ میری سگی والی بہن نہیں ہیں۔ اب کبھی کسی موقع پر انہوں نے نورین آپا سے فرمائش کر دی تو بہت پچھتائیں گے۔"

"کیا..... میں تمہاری بہن نہیں ہوں؟"

"ارے بابا! صرف بہن ہی نہیں اور بھی بہت کچھ ہیں یا بن سکتی ہیں۔"

بہزاد ہنستا ہوا چلا گیا اور اشنا مسکراتی رہی۔

❊ ❊ ❊

فراز امتحان سے فارغ ہو کر آگیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ملازمتوں کی پیش کش بھی آ رہی تھیں۔ رزلٹ سے پہلے اسے ایک بہترین جاب مل گئی۔ اور چچا ابا نے اس خوشی میں ایک پُر تکلف دعوت کا اہتمام کر ڈالا۔ وہ بھی مہمانوں کی طرح چلی گئی۔

لان میں موجود ہر پودے اور درخت کو لائٹنگ سے سجایا گیا تھا۔ بڑی رونق تھی۔

کلف دار طرے پہنے ہوئے سفید پوش بیرے' لائن سے کھڑے تھے اور ٹھنڈی بوتلوں سے مہمانوں کی تواضع ہو رہی تھی۔

نورین چند فیشن ایبل خواتین میں گھری قہقہے لگا رہی تھی۔ اس محفل میں سارے مہمان اونچے گھرانوں کے تھے' نئی تہذیب کے دلدادہ۔ خوش و خرم بے فکرے' نورین جیسے نمائشی انداز میں۔

وہ نورین کی بے رخی محسوس کر کے سب سے پچھلے رو میں ایک کرسی پر جا بیٹھی۔ بہزاد وہاں بھی آگیا۔

"ارے یہاں کہاں چھپ کر بیٹھ گئیں آپ۔ اُدھر چلیں۔ بھائی کی نگاہیں آپ کو تلاش کر رہی ہیں۔"

وہ چپ رہی۔

"پتا ہے اشنا آپی! بھائی آپ سے خفا ہیں۔" نورین لپکتی ہوئی آئی۔ بہزاد کو مخاطب کر کے بولی۔

"یہاں کہاں آ کر بیٹھ گئے ہو نوکروں کی طرح۔ چلو ادھر گیٹ پر۔ میرے کلاس فیلوز کو ریسیو کرو پاگل۔"

اشنا کو یقین تھا' اس کے چہرے پر ناگواری کی سرخی چھا گئی ہے۔ بہزاد نے نورین کی بات ان سنی کر دی۔ اور اشنا سے مخاطب رہا۔

اسی وقت فراز بھی وہاں آگیا۔ نورین نے پھر خفگی کا اظہار کیا۔ "سن نہیں رہے بہزاد! میں کیا کہہ رہی ہوں۔ چلو اٹھو میرے ساتھ چلو۔"

بہزاد اچانک چہکتی آواز میں بولا۔ "ارے اشنا آپی! آپ کا دوپٹہ کس قدر خوبصورت ہے۔ کتنا کِھل رہا ہے آپ پر۔ یہ پچرنگی بہار بن کر آپ کو پھول بنا گیا ہے۔ نظر نہ لگ جائے آپ کو کسی کی۔"

"پیارا ہے' اس لیے خوبصورت لگ رہا ہے۔" نورین چیختی آواز میں بولی۔ "اور کوئی دوپٹہ ہو گا ہی نہیں اس لیے یہی اوڑھ کر آگئی۔ یہ بھی' پچھلی بار بھائی نے دیا تھا لا کر۔"

کہہ کر وہ مڑ کر دو قدم پیچھے چلی گئی۔ اور ہنس ہنس کر اپنی کزن عرفانہ سے باتیں کرنے لگی۔ گویا جو کر چکی تھی اس سے مطمئن تھی۔

اشنا کو سینے میں گرم گرم ابال اٹھتا محسوس ہوا تھا۔ جو گلے تک آ کر اٹک گیا۔ اس نے تھپک تھپک کر غصے کو سلا دیا۔ اور خود کو تسلی دی۔ "بے چاری نورین! اس قدر مفلس ہیں۔ انہیں کوئی دولت میسر نہیں۔ قناعت نہ مروت' محبت نہ برداشت' اور کس قدر مکروہ باطن ہے ان کا۔ ظاہر میں ہنستے ہوئے چہرے کے پیچھے محرومیوں کے آنسو ہوں گے۔"

"تم اتنے دن سے آئیں کیوں نہیں' مجھ سے ملنے' کب سے آیا ہوا ہوں میں۔" فراز نے نورین کی باتیں سنی ہی نہیں یا ٹالنے کی کوشش کی۔

"اور ہاں' شکریہ میرے تحفے کی قبولیت اور قدر دانی کا' مجھے بہت خوشی ہے کہ یہ تمہارے جسم پر آ کر سج گیا ہے' بہت پیارا لگ رہا ہے۔"

نورین آ کر فراز کو پکڑ کر لے گئی۔ وہ فراز کو اپنی فرینڈز سے ملوا رہی تھی۔ اور پورے لان میں اس کے قہقہے گونج رہے تھے۔ فراز بھی ان چمکتی دمکتی پریوں میں راجہ اندر بنا بیٹھا تھا۔ چند منٹوں بعد ہی اشنا خود کو وہاں مِس فٹ محسوس کرنے لگی تو اٹھ کر برآمدے میں آگئی۔ جہاں چچا' ابا' بڑی اماں' امی ابا بیٹھے تھے' کھانا لگنے کی خبر دینے فراز آیا۔ اور اسے وہاں بیٹھا دیکھ کر خفا ہوا۔

"یہاں بیٹھی ہو' میں ادھر ہی تلاش کرتا رہا۔ ابھی کھانے کے بعد میوزک کا پروگرام ہے' اس میں نورین کی سہیلی ڈانس کرے گی۔ چلو ادھر سے اچھا نظر آئے گا۔"

فراز نے اسے کھینچا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے ساتھ کھنچتی ہوئی چلی گئی۔ بڑی اماں کے تیوری کے بل گہرے ہو گئے۔ فراز نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ کھانا کھاتے وقت بھی ساتھ ساتھ رہا۔ کھانے کے بعد بیروں نے بڑی پھرتی سے میزیں وہاں سے ہٹا دیں۔ اور "آناً فاناً" وہاں آلات موسیقی سج گئے۔ بڑے بڑے ڈرم' الیکٹرک پیانو' آرکسٹرا کا جملہ سامان اور موسیقی شروع ہو گئی۔ لڑکے زور و شور سے تھرک تھرک کر گانے لگے۔ لڑکیاں گول حلقہ بنا کر ڈانس کرنے لگیں۔ نورین' فراز کو پکڑ کر لے گئی۔ کچھ دیر بعد فراز پھر آیا بولا۔ "آؤ نا اشنا' تم کیوں یہاں کھڑی ہو؟"

"میں ڈانس نہیں کر سکتی۔"

"اوہو' کوئی ڈانس ماسٹر یہاں نہیں۔ بس ایسے ہی

انجوائے کریں گے۔"

"میں نہیں کرسکتی۔"

"بابا! دوسروں کی خاطر ذراسا!" وہ بڑی شائستگی سے کہہ رہا تھا۔ نورین کو صبر کہاں' جھٹ آکر بگڑنے لگی۔

"بھائی! سب کا وقت کیوں خراب کررہے ہیں۔ وہ سب آپ کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ چھوڑیں انشا کو' بعض لوگوں کو ہر جگہ نمایاں ہونے کا شوق ہوتا ہے۔ ایک بڑی سی شاندار محفل میں تقریب کا ہیرو' لڑکی کا ہاتھ پکڑے خوشامد کررہا ہو' تو لڑکی تو خود کو ہیروئن ہی سمجھے گی۔ اور یہ کتنا بڑا اعزاز ہے اس کے لیے۔"

"نورین....!" فراز دھیمی آواز میں غرایا۔

"کچھ نہیں بھائی! اب میں یہ اداکاری برداشت نہیں کرسکتی۔ آئیے آپ۔"

وہ فراز کو کھینچ کرلے گئی۔ اسی طرح جیسے کچھ دیر پہلے فراز انشا کو لایا تھا۔ انشا ہکا بکا اپنی جگہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اس قدر صاف' واضح قسم کی ذلت' اس کے قدم زمین نے پکڑ لیے۔

ڈانس اور ایک گیت کے خاتمے کے ساتھ اب دوسرا گانا شروع ہوا چاہتا تھا کہ نورین نے مائک ہاتھ میں لے کر اعلان کیا۔

"خواتین و حضرات! اب ہمارا خاص آئٹم شروع ہوا چاہتا ہے۔ اس کی بس ایک شرط ہے۔ چلئے اپنے قریب کھڑے ساتھی کا ہاتھ تھام کر پروگرام کے لیے تیار ہوجائیے اور جو حضرات یا خواتین اس پروگرام سے لطف اندوز ہونا چاہیں' ان کے لیے اجازت ہے۔"

لڑکے لڑکیاں چیخ کر لطف اندوز ہونے کا اعلان کررہے تھے۔ سب نے اپنے پاس کھڑے ساتھی کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ اور ڈانس کی پوزیشن میں آگئے تھے۔ اور جب نورین' اظہر کو اور عرفانہ فراز کو تھام کر گیت کی دھن کے ساتھ رقص میں مصروف تھے۔ نورین' انشا کو واپس جاتا دیکھ کر فاتحانہ مسرت محسوس کررہی تھی۔ تب ہی اس کے قدموں میں والہانہ جوش و خروش پیدا ہوگیا تھا۔

امی نے اسے آتا دیکھ کر حیرت سے کہا۔

"تم ابھی سے آگئیں۔ ابھی تو وہاں پروگرام شروع ہوا ہے۔ آوازیں یہاں تک آرہی ہیں۔"

آوازیں یقیناً "پیچھا کرتی ہیں" لیکن اگر مڑ کر دیکھو تو پتھر بنتے دیر نہیں لگتی۔ قہقہے' گیت' خوشیوں بھری چہکاریں' اس بڑے گھر کو مبارک ہوں۔ میں اور میری تنہائی اپنے پرانے گندے گھر میں سکون سے ہیں۔ آنکھوں میں بھرے موتی' کسی صدمے کے نہیں محض احساس ذلت کے پیدا کردہ تھے۔ جنہیں وہ بے دریغ تکیے پر لٹاتی رہی۔

صبح سویرے فراز نے آکر نورین کے رویے کی معذرت کرلی۔ بڑی اماں کہتی ہیں۔

ایک ہی بہن ہے ہماری۔ وہ بھی مہمان' کل سسرال سدھار جائے گی۔ تم بھی اس کے ناز نہ اٹھاؤ گے تو غیروں کو کیا پڑی ہے۔ بس اسی لیے میں اس کی بدتمیزی سہ جاتا ہوں۔" انشا مسکرادی۔

❊ ❊ ❊

فراز کا رزلٹ بعد میں آیا' بہت شاندار طریقے پر کامیاب ہوا تھا۔ بڑی اماں اور نورین کی مسرتیں عروج پر تھیں۔ امی ابا بھی خوش تھے۔ خوش تو وہ بھی تھی۔ مگر اب اسے اظہار کی عادت نہ رہی تھی۔ بڑی اماں نے پھر ایک دعوت کا اہتمام کرڈالا۔ نورین نے بھی اپنے ارمان نکالنے کا اعلان کردیا۔ فراز رات کو بتانے آیا۔

"کل رات آپ سب آئیے۔"

اور انشا سے بطور خاص اس نے کہا۔ "تم صبح سے ہی آجانا۔ ورنہ خفا ہوجاؤں گا میں۔ اور خبردار' نورین کی بکواس کی بالکل پروا نہ کرنا۔"

"صبح سے آکر کیا کروں گی میں؟"

"کچھ نہ کرنا بیٹھی رہنا۔ میں تمہیں دیکھا کروں گا۔"

"واہ! ایسے ہی مجھ میں کیا ہے' جو آپ مجھے دیکھا کریں گے۔"

"تمہیں علم نہیں۔ کاش میں تمہیں بتاسکتا کہ تم میرے لیے کیا ہو۔" وہ آہ بھر کر آسمان کی طرف دیکھنے

لگا۔ "دنیا کا ڈر نہ ہو۔ تو ابھی اٹھا کرلے جاؤں۔ اور بس تازندگی تمہیں ہی دیکھا کروں۔"

"تو وہ جو آپ کی سروس ہے۔ اس کا کیا ہوگا۔" دونوں ہنسنے لگے۔

"فراز بھائی! سراب کے پیچھے جانے کا کیا فائدہ۔" وہ کیسے کہتی۔

اگلے دن صرف فراز کی التجا کا مان رکھنے کی خاطر وہ چچا ابا کے صحن میں داخل ہوئی تو اوپر کے کمرے کی کھلی کھڑکی سے نورین نے اسے دیکھ لیا۔ شاید وہ جانتی تھی یا شاید واقف نہ تھی کہ اوپر کے کمرے کی ہر بات نیچے سنی جاسکتی ہے۔

"لو' بن بلائے مہمان' بلائے جان تشریف لارہے ہیں۔ میں حیران ہوں اس کی ڈھٹائی پر۔" نورین دانت پیس کر بولی تھی شاید۔

"کون بلائے جان' ارے یہ تو انشا ہے۔"

بڑی اماں کی اندر کمرے سے آواز آئی۔ جب کہ نورین تو کھڑکی سے لگی کھڑی تھی۔

"نورین! دیکھو' تم اپنی زبان بند رکھنا۔ میں نے خود بلایا تھا اسے۔ ذرا انتظام کا جائزہ لے لے۔ تم سے تو کچھ ہوتا نہیں ہے۔ وہ صدرو بھی بیمار پڑ گیا۔"

"تو آپ بھی اس کو بتادیں۔ مجھ سے دور ہی رہے۔ جاہل پینڈو' شرمندہ کردیتی ہے مجھے سب کے سامنے۔"

"خوامخواہ! کیا کمی ہے اس میں' جو تم شرمندہ ہوجاتی ہو۔"

"دیکھا' دیکھا وہی ہوا نا' آپ کے صاحبزادے نے کردی ہوگی فرمائش' مگر میں نہیں ہونے دوں گی۔ اس سے کہئے۔ بھائی پر ڈورے نہ ڈالے۔ نو ویکینسی' ورنہ میں نیچے جارہی ہوں۔ بلالیں اسے' دیکھ لے انتظام۔"

نورین کھڑکی سے ہٹ گئی تھی۔ وہ بھی دبے قدموں واپس اپنے گھر آگئی۔ اور اچھا ہی ہوا۔ وہاں اس کی ساری سہیلیاں کھڑی تھیں۔

"چلو' چلو مینا بازار چلیں۔" وہ کورس میں گارہی تھیں۔ الفت سب کی سربراہ تھی۔

بہت اچھا موقع تھا۔ اور دل کے بہلانے کا غصے کے ٹالنے کا کوئی ذریعہ اس کے پاس نہ تھا۔

مینا بازار میں انہوں نے خوب سیر کی۔ جھولے پر بیٹھیں۔ اونٹ کی سواری کی۔ انشا نے سب کو چوڑیاں پہنوائیں۔ ناصرہ نے حلیم کھلائی دن بھر الا بلا کھا کر شام کو الفت کے گھر آئیں۔ جہاں اس کی امی کھانا لیے بیٹھی تھیں۔ کھانا کھانے کے ساتھ ساتھ انہوں نے الفت کے بھائی کی شادی کی مووی دیکھی۔ جس میں وہ سب شریک تھیں۔ مووی کو بار بار ریوائنڈ کیا جاتا کبھی اسٹاپ۔ کسی کی کوئی خاص حرکت یا پوز دیکھنے کے لیے اور ہنس ہنس کر ایک دوسرے پر فقرے اچھالتیں۔

"آنٹی دیکھیے۔ آج انشا نے ہم سب کو یہ چوڑیاں پہنائی ہیں۔ کتنی پیاری ہیں نا۔" رابعہ نے آنٹی کو سب چوڑیاں دکھائیں۔

"اور پتا ہے آنٹی! ہم نے اس بے چارے کو لوٹ لیا۔ حجت کرکر کے خوب پیسے کم کرائے۔ زیادہ سے زیادہ چوڑیاں پہنیں۔ پتا نہیں اتنا شریف تھا یا مسکین بننے کی کوشش کررہا تھا۔"

"ارے وہ تو خود ہماری شرافت سے اتنا متاثر تھا کہ اس نے سب کو کوک پلائی' پہلے جتنے کی چوڑیاں ہم نے لی تھیں۔ وہ سب پیسے کوک کی بوتلوں کی نذر ہوگئے' بے چارا گھر جاکر حساب کرے گا' تو اسے اپنے نقصان کا علم ہوگا۔"

"بالکل نہیں۔ تم لوگوں سے اس نے اتنا ہی منافع کمایا ہے کہ کوک کی بوتلوں کا خرچہ نکال کر بھی کچھ بچت ہوگئی ہوگی۔" آنٹی نے کہا۔ سب ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر رہ گئیں۔

الفت کی امی سب کو اپنی گاڑی میں بھر کر ان کے گھر چھوڑنے آئیں۔ آخر میں انشا کو چھوڑا' کار سے باہر آتے ہوئے الفت نے کہا۔ لگتا ہے تمہارے ہاں کوئی فنکشن ہے۔ میوزک کی آواز آرہی ہے۔"

انشا شرمندہ ہوگئی۔ "ہائے میں بھول گئی۔ بڑی اماں

"نخوت۔۔۔۔" ماموں ہنسے۔ (یہی تو فساد کی جڑ ہے۔ وہ اللہ کی بندی جانتی نہیں کہ میں چوری کر سکتا ہوں نہ بے ایمانی' ضمیر بیچوں گا نہ علم' یہ بات اسے کون سمجھائے۔"

"میں سمجھادوں گی۔ امید ہے' وہ میری بات اچھی طرح سمجھ لیں گی۔"

"پھر میں تمہیں اپنا استاد مان لوں گا۔" ماموں ہنسنے لگے۔ بے ریا شفاف ہنسی ان کے چہرے پر بکھر گئی۔

"رہنے دو بچے! اس سے کچھ نہ کہو۔ برا منائے گی۔ کہے گی میں اس کے دکھڑے روتا ہوں۔ ویسے بھی وہ اپنے طرزِ عمل سے پریشان نہیں ہوتی۔ پچھتاتی بھی نہیں۔"

"ممانی کبھی خوش بھی ہوتی ہیں۔"

"میں نے اسے دیا بھی کیا ہے۔ جو وہ خوش ہو۔ دوسروں کو دیکھ کر ایک ایک چیز کے لیے ترسا کرتی ہے۔ پھر شکوہ مجھ سے ہی کرتی ہے۔ یہ اس کا حق ہے۔" وہ بستر پر لیٹ گئے۔ ماموں بھی کیا درویش صفت تھے' لیٹتے ہی سوگئے۔

شام کو اس نے لاپروائی سے پوچھ لیا۔ "ماموں آدمی کوئی فیصلہ نہ کر سکے تو کیا کرے۔"

"انتظار۔۔۔۔" ماموں نے کہا۔ "قدرت پر چھوڑ دیا' وہ خود ہی راستہ بنا دے گی۔"

❁ ❁ ❁

اس روز بہزاد آیا اور ابا کو بلا کر لے گیا۔ امی بھی ساتھ چلی گئیں۔ کچھ دیر بعد آکر انہوں نے بتایا کہ چچا ابا کی طبیعت بہت خراب ہے۔ ہاسپٹل لے گئے ہیں۔ ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔

بہزاد سے معلوم ہوا۔ نورین نے وہاں شادی سے انکار کر دیا ہے۔ وہ اظہر کے ساتھ شادی کرے گی۔ چچا ابا دس بارہ دن ہسپتال رہ کر آئے تو کافی کمزور تھے۔ انہوں نے نورین کی بات اظہر سے طے کر دی۔ اور عرفانہ خود بخود فراز کے حصے میں آگئی۔ امی کو اس بات کی بہت تکلیف ہوئی' وہ انشا کو دیکھ دیکھ کر آہیں بھرا کرتیں' انشا کو ہنسی آجاتی۔ قدرت نے اس کے لیے صاف ستھرا راستہ منتخب کیا تھا۔ پھر وہ اس کانٹوں بھرے راستے پر کیوں چلتی۔ ذرا سے صبر اور قدرت پر مضبوط اعتبار نے اسے چچا ابا کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچا لیا۔ اور فراز کی کمزوری نے بھی مدد کی۔

گھر میں نورین کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ امی روز بڑی اماں کی مدد کے لیے ان کے پاس چلی جاتیں۔ انشا کو پڑھائی سے فراغت کم ملتی تھی۔ وہ کبھی کبھی چچا ابا کو دیکھنے چلی جاتی۔ فراز مل جاتا تو سلام کر لیتی۔ فراز پر یاسیت سوار تھی۔ مایوس تھا وہ اپنے مستقبل سے۔ نورین کی ضد نے باپ کو بیماری بھائی کو مایوسی کا تحفہ دے دیا۔ خود غرض' بے حس' نورین آج کل تو خوش تھی۔ انشا کو نورین سے چڑ ہو گئی۔ مگر اسے کسی کی پروا نہ تھی۔ وہ اپنی شادی کی تیاری میں دل کھول کر خرچ کر رہی تھی۔ اور اسے چچا ابا کی ذرا سی فکر نہ تھی۔

ایک دن دو خواتین آئیں۔ اور اچانک ہی انہوں نے انشاء کو ایک انگوٹھی پہنا دی۔ اور اس کے منہ میں زبردستی مٹھائی ٹھونس دی۔ کتنی دیر تک وہ گم صم بیٹھی رہی۔ امی تو نہال تھیں۔ بعد میں پتا چلا یہ لوگ وہی ہیں' جہاں نورین نے انکار کر دیا تھا۔ چچا ابا نے خود رشتے کے تبادلے کی تجویز پیش کی تھی اور انشا کو کسی نے بتایا تک نہیں۔

❁ ❁ ❁

نورین بڑی دھوم دھام سے رخصت ہوئی' فراز کی شادی چچا ابا کی صحت یابی کے بعد ہونا قرار پائی۔ ماموں نے بھی منظور کر لیا۔ شادی کے بعد نورین کا دماغ عرشِ معلیٰ پر جا پہنچا۔ ہر وقت سسرال کی دولت و حشمت کے تذکرے۔ اور مقابلے میں انشا کی سسرال کا ذکر بھی ہوتا۔ جہاں سب مل جل کر رہتے ہیں۔ اور صرف ایک کار ہے۔

❁ ❁ ❁

ایک دن نورین روتی دھوتی واپس آگئی۔ ماموں کے

گھر کی ساری شان ان کے دو بڑے بیٹوں کی محنت کا ثمر تھی۔ اظہر تو محض ان کے آفس میں ملازم تھا' اور کوٹھی اسے آفس کی جانب سے ملی تھی۔ اتنی کم تنخواہ تھی کہ نورین کا اس میں گزارا ہونا مشکل تھا۔ اور وہ اظہر کو الگ گھر لے کر رہنے کی ترغیب دے رہی تھی۔ اسے الگ گھر اور خود مختار زندگی کی خواہش تھی۔ وہاں ہر قدم اٹھانے کے لیے ممانی کی اجازت طلب کرنا پڑتی۔

بڑی اماں نے نورین کو بہت سمجھایا۔ مل جل کر رہنے کے فوائد بتائے۔ مگر اسے تو ایک ہی ضد تھی۔ اظہر خود آکر اسے خوشخبری سنائے۔ اور ماموں' ممانی الگ رہنے کی اجازت دے دیں۔ بڑے بھائی جو کاروبار کے کرتا دھرتا تھے۔ اظہر کی تنخواہ بڑھا دیں۔ بڑی اماں لاکھ سمجھاتیں۔

"بیٹی' انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہوتی۔ تم نے اظہر سے شادی کرنے کی ضد کر لی۔ باپ کو گور کنارے پہنچا دیا۔ اب کیا چاہتی ہو۔ بھائی تمہاری ضد پر قربان ہو گیا۔ اب تو عقل سے کام لو۔"

مگر نورین کو اب بھی یہ گھمنڈ تھا کہ اظہر' اس کے ماں باپ اور بھائی لوگ سب اس کی ضد کے آگے جھک جائیں گے۔ جیسے نورین نے اپنے والدین اور بھائی کو جھکا لیا تھا۔ بڑی اماں نے چچا ابا سے نورین کی ضد اور میکے آکر رہنے کی بات چھپالی تھی۔ نورین بھی اب سب سے منہ چھپاتی تھی۔ اظہر نے کہلوا دیا تھا۔

"تم جیسے گئی تھیں ویسے ہی آسکتی ہو۔"

اس دن چچا ابا انشا سے دیر تک باتیں کرتے رہے۔ انہیں ابھی تک اس بات کا صدمہ تھا کہ نورین ان کی مرضی کے خلاف ضد پر اتر آئی۔

"وہ گھرانہ بہت شریف ہے۔ مثالی خاندان ہے۔ میں نے نورین کے لیے بہترین "بر" منتخب کیا' اور وہ اپنی عقل پر بھروسا کر بیٹھی۔ "بیٹی انشا! تم مجھے مایوس نہ کرنا۔ یہ تمہارا نصیب تھا۔ تو بھلا نورین کو کیسے ملتا۔ اب میری عزت اور وقار کی تم ہی محافظ ہو۔ ان لوگوں کو تم سے شکایت نہ ہو۔"

انشا نے چپ سادھ لی تھی۔ باپ چچا کی خواہش' خوشی۔ ان کا وقار' خاندان کی عزت سب پچھ داؤ پر لگا تھا۔ انکار کرتی بھی تو کس آسرے پر۔ امی کا بس چلتا تو دو دن میں ہی اس کو رخصت کر دیتیں۔ وہ ایک انجان شخص کے ساتھ ایک مضبوط بندھن میں بندھنے والی تھی۔ اس سے کیا توقع کرتی کہ عیش آرام دے گا۔ محبت احترام دے گا۔ مینا بازار والے پاسٹ لڑکے کی کی بات کی کیا حیثیت تھی۔ جب نورین اس قدر چاہت اور خواہش سے ماموں کے گھر بیاہ کر گئی اور ماموں ہی اسے تحفظ نہ دے سکے۔ تو کسی اجنبی سے کیا امید۔

نورین اب انشا کی شادی کا بہانا کر کے میکے میں قیام کی گنجائش نکال چکی تھی۔ فراز نورین سے خفا تھا۔ اسے پروا نہ تھی۔ اور اسے پروا کسی کی بھی نہ تھی۔

نکاح کے وقت ایک ان دیکھے شخص کے نام پر اس نے اپنا سر جھکا لیا تھا۔ یہی نام اب اس کی خوشیوں کا ضامن تھا۔ نکاح نامے پر دستخط کر کے وہ خوب روئی۔ قسمت کیا رنگ دکھائے گی۔ مگر نورین کا حال بھی کچھ بہتر نہ تھا۔ انشا کے نکاح کا بیش قیمت جوڑا شاندار زیورات اور ولیمے کا غرارا سوٹ تو اس قدر جگمگ جگمگ کر رہا تھا جسے دیکھ دیکھ کر نورین کے سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ اس کی ساس زندہ نہ تھیں۔ مگر جو خواتین آئی تھیں' وہ دولہا کو ماں سے کم نہیں چاہتی تھیں۔

اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ انشا چند ہفتے بعد سوئٹزرلینڈ ہنی مون کے لیے جائے گی۔ دولہا کو کمپنی کی جانب سے بھیجا جا رہا تھا تو دولہا کے والد نے طے کیا کہ اپنے خرچ پر دلہن کو بھی ساتھ بھیج دیں۔ سوئٹزرلینڈ سے آکر وہ لوگ دو ماہ کے لیے اپنے ملک کی سیر و تفریح کے لیے نکل جائیں گے۔

کمبخت اظہر نے تو دفتر کے بہت سے کام کا بہانا کر کے ہنی مون ٹال دیا تھا۔ سلامی کی رقم ساری ممانی نے ہتھیالی۔ ماموں سے یہ نہ ہوا کہ اپنے پاس سے رقم دے کر بیٹے اور بھانجی کو کہیں بھیج دیتے۔ ساری شان

شوکت دکھاوے کی تھی۔ دل میں گنجائش نہ تھی۔ تنگ دل لوگ۔ ایک آگ تھی جو نورین کو جلائے دے رہی تھی۔ اس نے خود اپنے ہاتھوں اپنے پیر پر کلہاڑی ماری۔ ورنہ آج یہ دولہا یہ سازو سامان سب اس کا ہوتا میں نے خود سب کچھ اشنا کے حوالے کیا ہے۔" وہ روتے ہوئے اپنے گھر چلی گئی۔

اشنا کی رخصتی خاصی جذباتی مناظر سے پُر تھی' سب کو اپنی بیٹی کی حماقت پر رونا آرہا تھا۔ جس نے لاعلمی اور جذباتیت میں یہ سونے جیسا دولہا اپنے ہاتھ سے گنوادیا تھا۔ اشنا کو بس ایک اطمینان تھا۔ وہ اپنے بزرگوں کی خواہش اور خوشی کے لیے اس گھر کو چھوڑ رہی ہے وہ گھر جو اسے بہت عزیز تھا۔ بہت پیارا تھا۔

آواز بہت ہلکی تھی۔ حالانکہ وہاں شور بھی بہت تھا۔ مگر اس کی حسِ سماعت خاصی تیز تھی۔ نہ جانے کون کہہ رہا تھا۔

"ارے سنو' دولہا گونگا ہے۔"

"ہائیں گونگا؟"

"کس نے کہا؟"

"میں نے خود دیکھا۔ وہ بول نہیں سکتا۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ پرچے پر لکھ لکھ کر بات کررہا ہے۔ یعنی اپنی بات تحریر کے ذریعے پہنچا رہا ہے۔"

"تو تعلیم یافتہ ہے' لکھ کر نہیں تو کیا اشاروں کی زبان میں بات کرے۔" پھر کوئی ہنسا۔ مضحکہ اڑانے والی ہنسی۔

اور اشنا کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

"تو کیا نورین نے اسی لیے انکار کردیا تھا؟"

"ظاہر ہے ورنہ اور تو کوئی کمی ہے نہیں۔"

"چھناک! دل کا شیشہ تیز آواز سے ٹوٹا تھا۔ پیر کانپنے لگے۔ وہ گرنے لگی۔ پھر کسی نے اسے کرسی پر بٹھا دیا۔ اس نے اعصاب کو بکھر جانے سے روکا کوشش کرکے۔

"بھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔ لو گونگے کے ساتھ عمر کٹے گی۔ بے چاری کی۔"

"اب تک تو یہی خیال تھا۔ نورین' اظہر سے محبت کرتی ہے۔ اس لیے انکار کیا ہے اس نے۔ لیکن اب ہربات صاف ہوچکی تھی۔ اور انکشاف بھی کس وقت ہوا۔ رخصتی کے لیے وہ کھڑی تھی۔ نورین کا ٹھکرایا ہوا اس کے نصیب میں تھا۔ گونگا۔ کیسے گزاروں گی یہ زندگی ایک مسلسل آزمائش" ابا امی! میں اتنا بھاری بوجھ نہ تھی۔

اتار پھینک یہ لباسِ فاخرہ' یہ بیش قیمت زیورات تمہیں شکست سے نہیں بچاسکتے تو ان کی نمائش کا فائدہ ہی کیا ہے۔" اشنا کے سینے میں بگولے سے اٹھ رہے تھے۔ یہ کس نے کہا کہ وہ چمکتے دمکتے لباس کی یا قیمتی زیورات کی شائق ہے۔ یا اسے ایسی زندگی سے پیار ہے۔ عیش و عشرت کی دلدادہ وہ نہیں۔ پھر اس کے لیے ایسا بر کیوں چنا آپ نے چچا ابا! چچا ابا! میں نے آپ کو معاف نہیں کیا۔ کبھی نہیں' میں کبھی معاف کروں گی بھی نہیں۔ ٹھیک کہا تھا نورین نے تعلیم ہے تو کیا۔ ہینڈسم ہے تو بھی کیا۔ اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کون سی وجہ تھی۔ جو میں رخصتی سے انکار کردوں گی۔ نورین سسرال کو ٹھکرا سکتی ہے تو میں کیوں نہیں۔ کیا فرق ہے اس میں اور مجھ میں۔"

اس پر جنون طاری ہو رہا تھا' ایک گونگے کے ساتھ۔ زندگی کا سفر' وہ ٹکر ٹکر مجھے دیکھا کرے گا۔ اور بول نہ سکے گا۔ وہ میرا ساتھ کیا دے گا۔ میرا تحفظ کیسے کرے گا۔ کیا بیٹیوں کی شادی اسی لیے کی جاتی ہے۔ انہیں صرف اپنے گھر سے نکالنے کے لیے' ساری عمر ان کو پیار محبت دے کر ایک اجنبی گونگے کے ہمراہ روانہ کردو' یہ کیسی شادی ہے۔"

"ماموں' ماموں کہاں ہیں آپ۔" بے خیالی اور جوش میں اس کے منہ سے بلند آواز میں نکلا تھا۔

"میں یہ کھڑا ہوں بیٹا! تمہارے پاس۔"

"ماموں آپ کو تو پتا ہے۔ مجھے یہ سب نہیں چاہیے' یہ زیور' یہ جھلملاتا لباس' اور دنیاوی عیش دولت مجھے تو آپ نے صبرو برداشت کی تعلیم دی تھی نا۔ مگر مجھے تو قربان کیا جارہا ہے ماموں۔"

"بیٹا! بہت سی خوشیوں اور کامرانیوں کے ساتھ اگر

دنیاوی عیش و آرام ملے تو اس سے منہ نہ موڑنا۔ کفرانِ نعمت بھی خدا کو پسند نہیں' تمہارا نصیب' بہت روشن ہے۔ انتظار کرو بیٹا! اچھے دنوں کی امید رکھو۔"

ماموں معاملے کی سنگینی سے بے خبر تھے۔ ہائے ماموں بھی نہیں سمجھے۔ پھر کون سمجھے گا۔"

چچا ابا سامنے ہوتے تو وہ ان سے پوچھتی۔ "آپ نے کس خطا کی سزا دی ہے مجھے۔" مگر وہ تو بسترِ علالت پر تھے۔

"نہیں جاؤں گی میں اس گونگے کے ساتھ' اپنے باپ کے گھر عمر گزار لوں گی۔ تو چچا ابا' کیا قبر میں نہ اتر جائیں گے۔"

ماموں اسے نصیحت کررہے تھے۔ وہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔ شور بہت تھا۔ لگتا تھا آندھی آرہی ہے۔ چڑیلیں چیخیں مار رہی ہیں۔ بہت شور تھا۔ ہنگامہ' ایک تھرتھراتی چیخ اس کے سینے سے نکلی۔ اور اس نے اتنے آنسو بہائے جتنے پوری زندگی میں نہیں بہائے تھے۔

"کل میری بیٹی ہنسی خوشی آئے گی۔ ہم سب سے ملنے۔"

"ہونہہ' خوشی اب مجھ سے اتنی دور ہے۔ جیسے آسمان پر چمکتا چاند۔

"اے چاند! تو گواہ رہنا۔ میرے اپنوں نے مجھے اپنی خواہشوں پر قربان کردیا ہے۔ اور میں بخوشی اپنی صلیب کی طرف جارہی ہوں۔ ان کی خاطر ان کے لیے جو چاہتے ہیں کہ میں انہیں مایوس نہ کروں۔"

❄ ❄ ❄

سسرال میں بے پناہ شور تھا۔ لوگوں کے قہقہے باتیں اور ریکارڈنگ۔

جا کے سسرال گوری میکے کی لاج رکھنا

اسے بڑی محبت اور احترام کے ساتھ ایک جگہ بٹھا دیا گیا۔ کیمرے ہر سمت سے فلیش کی روشنی اگل رہے تھے۔ وہ آنکھیں بند کیے جذبات کو قابو کیے بیٹھی تھی۔

"آنکھیں کھولیں۔ آنکھیں تو کھولیں۔" مگر وہ آنکھیں کھول کر گونگے کو دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ پھر تو

دیکھنا ہی ہے۔ زندگی بھر۔ ساتھ جو رہے گا۔

اسے حجلۂ عروسی میں بٹھا کر لڑکیاں ہنستے ہوئے چلی گئیں۔ تب اس نے دیکھا۔ کمرا خاصا سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ سب کچھ بہت اچھا تھا۔ مگر دل پر اداسی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سائیڈ ٹیبل پر ٹیبل لیمپ کے ساتھ ایک کاپی اور پنسل رکھی تھی۔ "تو لکھ لکھ کر اپنے جذبات کی ترجمانی کریں گے مسٹر۔" غصہ تو آیا۔ مگر کس پر اتارتی کاپی پھاڑ کر پھینک دی۔ پنسل توڑ دی۔ بے دردی سے سارے زیورات اتار کر تکیے پر سجا دیے۔ بھاری کام کا دوپٹہ نوچ کر بیڈ پر پھینکا۔ اور طنز سے سب چیزوں کو دیکھا۔ "یہ زیورات مجھے سجا سکتے ہیں۔ میرے دل کی ویرانی کو کم نہیں کر سکتے۔ یہ خوبصورت دوپٹہ میرے روپ کو سنوار سکتا ہے۔ اس سے میری کوئی خوشی منسلک نہیں نہیں چاہیے مجھے یہ زیور یہ کپڑا۔"

دروازہ دھڑاک سے کھلا۔ اور کوئی اندر آ گیا۔ ننگے سر آنکھیں پھاڑے وہ اسے دیکھتی رہی۔ دم بخود حیران سی۔

آنے والے نے انگلی اٹھا کر کہا۔ "یہ تم ہو یعنی یہ آپ آج کی دلہن۔"

"اور آپ کون ہیں۔" وہ ڈپٹ کر بولی۔ جائیے باہر۔ یہاں کیا لینے آئے ہیں۔" شکل شناسا سی تھی۔ کچھ کچھ پسندیدہ بھی۔

"لینے آئے ہیں آپ کو خیر سے۔ آپ کی دید کے لیے آئے ہیں۔"

"ہائیں۔" وہ حواس باختہ ہو گئی۔ "کیا بکواس ہے۔ جاؤ باہر ورنہ شور مچا کر۔"

"محترمہ! ذرا تمیز سے، ابھی آپ پہلے دن کی دلہن ہیں۔"

آناً فاناً اس کے ذہن میں سنے سنائے واقعات گھس آئے۔ مرد معذور ہے تو اس کے کسی دوست یا بھائی اس کی بیوی پر۔"

"دیکھو سیدھی طرح سے چلے جاؤ۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ وہ بے چارا گونگا ہے تو کیا ہوا۔ میں نے اسے قبول کیا ہے۔ وہ میرا تحفظ کر سکتا ہے۔ آخر مرد ہے۔"

دبنگ لہجے میں کہتے ہوئے وہ ادھر ادھر اپنی حفاظت کے لیے کوئی چیز بھی ڈھونڈتی جا رہی تھی۔

"مرد نہیں ہے۔ ابھی تو وہ نوجوان ہے۔ چھبیس سال کی عمر میں اسے بوڑھا مرد تو نہ بنائیں۔"

"ایں؟" وہ سٹپٹا گئی۔ "آپ جاتے ہیں یا میں گونگے کو بلاؤں۔"

"گونگا ہے تو بہرا بھی ہوگا۔ آپ کی یہ منحنی آواز کیسے سن پائے گا۔"

کوئی بات تھی جو غلط تھی۔ منظر سے ہٹ کر نجانے کیا۔ وہ دھم سے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ غور کرنے لگی آنے والے نے سر خم کر کے کہا۔

"خادم حاضر ہے۔" اور وہ اچھل پڑی۔ یہ آواز، یہ چہرہ کس سے مشابہ ہے۔

"آپ گوں۔۔۔" اس نے اشا کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ورنہ بڑی طویل چیخ مارنے کے لیے پورا منہ کھول دیا تھا اس نے حیرت کی زیادتی۔

"دراصل میرے گونگے بننے کا کریڈٹ ابا جان کو جاتا ہے۔ جن کا خیال تھا کہ میری آواز ماحول کو آلودہ کر رہی ہے۔ آج کے شور ہنگامے اور چیخ پکار کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میری آواز اتنی خوفناک ہرگز نہیں۔ اس کے علاوہ آپ سے ملاقات کا جوش اور شوق بھی غالب آ گیا۔ آپ کو روبرو دیکھنے کے بعد گنگ ہونے کے خطرے کے پیش نظر یہ بہتر سمجھا کہ آپ کی غلط فہمی دور کروں۔ سر اٹھائیے" وہ اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اسے پتا ہی نہ چلا کب آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ خوشی کے آنسو۔

"آپ کو یاد دلانا پڑے گا۔ آپ آج پہلے دن کی دلہن ہیں۔ تو وہ روایتی گھونگھٹ وغیرہ کدھر ہے؟ کیا یہ پروگرام ملتوی کر دیا۔ چلئے اٹھائیے اپنا دوپٹہ اور نظریں بھی جھکا لیں۔ شرم و حیا کو آواز دے کر ہمارا استقبال کریں۔ یقیناً" آپ آج پہلی بار دلہن بنی ہیں۔ گو کہ آف دی ریکارڈ یہ ہماری دوسری ملاقات ہے مگر آن دی ریکارڈ پہلی۔"

اشا عجیب مخمصے میں پھنسی ہوئی تھی۔ ڈھیرے ڈھیرے دوپٹہ اٹھا کر اس نے سر پر ڈالا۔ اور اضطراب میں مبتلا ہو کر پھر اسے گھورنے لگی۔ "پہلی ملاقات دوسری بار۔"

"مینا بازار، چوڑیوں کا اسٹال، اشارے کافی ہیں نا۔"

اشا نے تکیے پر سے سارے زیورات جھپٹا مار کر اٹھا لیے۔ اور جلدی جلدی پہننے لگی۔ باہر ریکارڈنگ ہو رہی تھی۔ گلوکارہ کی آواز صاف کمرے میں چلی آ رہی تھی۔

آئی خوشیوں کی بارات سجنیا ساجن کے ہے ساتھ گوری کرت سنگھار

"میں ذرا بہجت کے کان مروڑ لوں۔ اس کو گانے سن کر دل پشوری کرنے کا خبط ہے۔ اگر آج اوزون کی سطح بال برابر اور زیادہ پھٹی تو بہجت کو تو نہیں البتہ سارا الزام میرے سر پر آئے گا کہ آج میری شادی ہے۔ اور آج کے بعد میرا گونگا بننے کا ارادہ نہیں بہت حماقت کی تھی میں نے۔"

(نورین آپا۔ میں نے آپ کی ساری خطائیں، ساری بدتمیزیاں معاف کیں۔ اور آپ کا یہ احسان کہ "یہاں" انکار کر کے آپ نے مجھے میرے اس آئیڈیل سے ملنے کے راستے کھولے۔ کبھی کبھی صبر اور انتظار خوشیوں کے ضامن ہو جاتے ہیں)

"اور اب ہم اس وقت کی بات سے اپنی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔"

صولت ریکارڈنگ بند کرا کے پھر واپس آ گیا تھا۔ اور اس وقت تک اشا باقاعدہ گھونگھٹ میں منہ چھپائے روایتی دلہن بنی بیٹھی تھی۔

"جب میں نے پہلی بار آپ کو دیکھا تھا، اس پہلی ملاقات کے بعد، آپ نے میرے خوابوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور میں نے اپنے دل کا معاملہ، اپنے اللہ کے سپرد کر دیا تھا تو دیکھا آپ نے۔ اسے کہتے ہیں سچی لگن۔"

"میں نے بھی۔" اشا نے گھونگھٹ اٹھا کر کہنا چاہا۔

"خاموش، آپ دلہن ہیں۔ اور کافی نمائش کر چکی ہیں۔ اب ہماری باری ہے۔ اپنے جذبات کی عکاسی کرنے کی۔ ہاں تو پہلی بار میں نے آپ کو دیکھا تھا چوڑیوں کے اسٹال پر۔ تو آپ مجھے بہت بہت اچھی لگیں۔ اس یقین کے ساتھ کہ آپ، اپنی ہیں میں نے۔۔۔"

"ہمیں کوک پلائی۔ اور میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا تو۔۔۔"

"بے ہوش ہو گئیں۔ ہمارے حسن کی تاب نہ لا کر۔"

"بالکل نہیں، بہت بولتے ہیں آپ۔ اس سے تو اچھا تھا کہ گونگے ہوتے۔"

"یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ ہر خواہش پوری ہونے کے لیے نہیں ہوتی۔"

اور یہی سب سے بڑا سچ ہے۔ اور اب کوئی خواہش بھی تو ناتمام نہ رہی تھی۔